جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

القرآن الحکیم ۱۲:۶۵

النور

صلح - تبلیغ ۱۳۸۵ھش
جنوری - فروری ۲۰۰۶ء

مصلح موعود نمبر

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

جلسہ سالانہ بھارت ۲۰۰۵ء کے افتتاح کے موقعہ پر جلسہ گاہ تشریف لا رہے ہیں

جلسہ سالانہ بھارت ۲۰۰۵ء
کے چند مناظر
Copyright (c) www.alislam.org

لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (12:65)

النور

جنوری۔فروری 2006

جماعت احمدیہ امریکہ کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّہ

والفضل ینزل بنزوله وھو نور و مبارک و طیب ومن المطھرین. یُفشی البرکات و یغذی الخلق من الطیبات و ینصر الدین...و انه اٰیة من اٰیاتی وعلمٌ لتائیدائی لیعلم الذین کذبوا انی معک بفضلی المبین...

(رسالہ التبلیغ ملحقہ کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام ص 577-578)

اور فضل اس کے آنے کے ساتھ آئے گا اور وہ نور ہے اور مبارک اور پاک اور پاک بازوں میں سے ہے برکتیں پھیلائے گا اور مخلوق کو پاکیزہ غذائیں دے گا اور دین کا مددگار ہوگا۔۔۔اور وہ میرے نشانوں میں سے ایک نشان اور میری تائیدوں کا علم ہوگا۔ تا وہ لوگ جو جھٹلاتے ہیں جان لیں کہ میں اپنے کھلے فضل سے تیرے ساتھ ہوں۔۔۔

نگران اعلیٰ: ڈاکٹر احسان اللہ ظفر
امیر جماعت احمدیہ، یو۔ایس۔اے

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر نصیر احمد

مدیر: ڈاکٹر کریم اللہ زیروی

ادارتی مشیر: محمد ظفر اللہ ہنجرا

معاون: حسنیٰ مقبول احمد

لکھنے کا پتہ: Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

فہرست

قرآن کریم

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۙۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

(ال عمران:75,74)

ترجمہ: اور کسی کی بات پر ایمان نہ لاؤ سوائے اس کے جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔ تُو کہہ دے کہ یقیناً ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ یہ (ضروری نہیں) کہ کسی کو وہی کچھ دیا جائے جیسا تمہیں دیا گیا یا (اگر نہ دیا جائے تو گویا اُن کا حق ہو جائے گا کہ) وہ تمہارے ربّ کے حضور تم سے جھگڑا کریں۔ تُو کہہ دے یقیناً فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بہت وسعت بخشنے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔ وہ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○

(بنی اسرائیل:80)

اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس (قرآن) کے ساتھ تہجّد پڑھا کر۔ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہوگا۔ قریب ہے کہ تیرا ربّ تجھے مقامِ محمود پر فائز کر دے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

(الحدید:22)

اپنے ربّ کی مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھو اور اس جنت کی طرف بھی جس کی وسعت آسمان اور زمین کی وسعت کی طرح ہے جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اس کو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔

حدیثِ مبارکہ

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْیَھُوْدِ وَالنَّصَارٰی کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَاْ جَرَ قَوْمًا یَعْمَلُوْنَ لَہٗ عَمَلًا اِلَی الَّیْلِ فَعَمِلُوْا اِلٰی نِصْفِ النَّھَارِ فَقَالُوْا: لَاحَاجَۃَ لَنَا اِلٰی اَجْرِکَ، فَاسْتَاْجَرَ اٰخَرِیْنَ فَقَالَ: اَکْمِلُوْا بَقِیَّۃَ یَوْمِکُمْ وَلَکُمُ الَّذِیْ شَرَطْتُ فَعَمِلُوْا حَتّٰی اِذَا کَانَ حِیْنَ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ، قَالُوْا: لَکَ مَا عَمِلْنَا فَاسْتَاْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوْا بَقِیَّۃَ یَوْمِھِمْ حَتّٰی غَابَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَکْمَلُوْا اَجْرَ الْفَرِیْقَیْنِ. وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَغَضِبَ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالُوْا: نَحْنُ اَکْثَرُ عَمَلًا وَاَقَلُّ عَطَآءً، قَالَ اللّٰہُ: وَھَلْ ظَلَمْتُکُمْ مِنْ حَقِّکُمْ شَیْئًا؟ قَالُوْا لَا، قَالَ: فَاِنَّہٗ فَضْلِیْ اُعْطِیْہِ مَنْ شِئْتُ.

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب، بخاری کتاب الانبیاء)

حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے کچھ لوگوں کو کام پر لگایا کہ وہ رات تک کام مکمل کریں، ان کو اس کام کی اتنی اجرت دی جائے گی۔ انہوں نے آدھے دن تک کام کیا پھر تھک کر کہنے لگے کہ بس، جتنا ہم نے کام کیا اتنی مزدوری ہمیں دے دو۔ چنانچہ وہ اپنی مزدوری لے کر چلے گئے۔ پھر اس نے اور لوگوں کو کام پر لگایا اور کہا کہ دن کے باقی حصے میں تم کام مکمل کرو تمہیں اتنی مزدوری ملے گی۔ انہوں نے عصر کے وقت تک کام کیا اور پھر تھک کر کام چھوڑ بیٹھے اور کہا سنبھالو اپنا کام، ہم آگے کام نہیں کریں گے چنانچہ وہ بھی مزدوری لے کر چلے گئے۔ پھر اس نے اور لوگوں کو کام پر لگایا۔ انہوں نے سورج ڈوبنے تک کام مکمل کر لیا اور اس وجہ سے پہلے دونوں گروہوں کے برابر ڈبل مزدوری کے مستحق قرار پائے (یہی حال یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کی اپنی اپنی ذمہ داریوں کے نباہنے کا ہے) ایک اور روایت میں ہے اس پر یہودی اور عیسائی ناراض ہو گئے اور کہنے لگے ہم نے زیادہ کام کیا ہے اور مزدوری ہمیں تھوڑی ملی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا۔ جو تمہارا حق تھا اور تم سے مقرر ہوا تھا، کیا میں نے اس سے کم تمہیں دیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، وہ تو ہمیں پورا پورا حق ملا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے ان کو کہا کہ جو زائد میں نے ان مسلمانوں کو دیا ہے وہ میرا فضل ہے (جو کام کے مکمل کرنے پر بطور انعام میں نے انہیں عطا کیا ہے۔ غرض اصل خوبی اور سرخروئی کام کرنا ہے۔ ادھورا کام چھوڑ دینا کسی تحسین کا مستحق نہیں بناتا۔)

پیشگوئی مُصلح موعود

''۔۔۔اس کے ساتھ فضل ہے جو اُسکے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دَولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت وغیّوری نے اُسے کلمہء تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علومِ ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائیگا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اسکے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزندِ دلبند گرامی ارجمند۔

مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ. مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ

كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ.

جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسُوح کیا۔ ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔''

(اشتہار 20/فروری 1886 مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اوّل)

انتخاب از منظوم کلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

خدا تعالیٰ کا شُکر بزبانِ حضرت امّاں جانؓ

ہے عجب میرے خدا میرے پہ احساں تیرا
کس طرح شُکر کروں اے مرے سُلطاں تیرا

ایک ذرّہ بھی نہیں تُو نے کیا مجھ سے فرق
میرے اس جسم کا ہر ذرّہ ہو قُرباں تیرا

سَر سے پا تک ہیں الٰہی ترے احساں مجھ پر
مُجھ پہ برسا ہے سدا فضل کا باراں تیرا

تُو نے اس عاجزہ کو چار دیئے ہیں لڑکے
تیری بخشش ہے یہ اور فضل نمایاں تیرا

پہلا فرزند ہے محمؔود، مُبارک چوتھا
دونوں کے بیچ بشیؔر اور شریفاؔں تیرا

تُو نے ان چاروں کی پہلے سے بشارت دی تھی
تُو وہ حاکم ہے کہ ٹلتا نہیں فرماں تیرا

میری اولاد کو تو ایسی ہی کردے پیارے
دیکھ لیں آنکھ سے وُہ چہرۂ تاباں تیرا

عُمر دے، رزق دے اور عافیت و صحّت بھی
سب سے بڑھ کر یہ کہ پا جائیں وہ عرفاں تیرا

غیر ممکن ہے کہ تدبیر سے پاؤں یہ مُراد
بات جب بنتی ہے جب سارا ہو ساماں تیرا

مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبِ اولاد ہونے کے متعلق حضرت سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان خوشخبری اور بعض دیگر بزرگانِ اُمّت کی بشارات

بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں حضرت مرزا محمود احمد صاحب نے جو کردار ادا کرنا تھا اس کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ خدا سے علم پا کر دُنیا کو آپ کی ولادت کی خبر دینے میں حضرت مرزا صاحب (مسیح موعود علیہ السلام) منفرد نہیں بلکہ اس پیدائش کے تذکرے آپ سے قبل بھی دُور دُور تک تاریخ کے مختلف اوراق میں پھیلے پڑے ہیں۔ سب سے زیادہ قابلِ فخر اور سب سے اعلیٰ و اوّلیٰ ان پیشگوئیوں میں وہ پیشگوئی ہے جو ہمارے آقا و مولیٰ سب نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں فرمائی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

"یَنْزِلُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اِلَی الْاَرْضِ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَهٗ"

(مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ480 باب نزول عیسیٰ علیہ السلام)

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُنیا میں تشریف لائیں گے اور شادی کریں گے اور اُن کو اولاد دی جائے گی"

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت مرزا صاحب (مسیح موعود علیہ السلام) فرماتے ہیں:

"قَدْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَهٗ فَفِیْ ھٰذَا اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ اللّٰہَ یُعْطِیْہِ وَلَدًا صَالِحًا یُّشَابِہُ اَبَاہُ وَلَا یَاْبَاہُ وَیَکُوْنُ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ الْمُکْرَمِیْنَ"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ 578)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے خبر پا کر فرمایا کہ مسیح موعود شادی کریں گے اور اُن کے ہاں اولاد ہوگی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسا نیک بیٹا عطا کرے گا جو نیکی کے لحاظ سے اپنے باپ کے مشابہ ہوگا نہ کہ مخالف اور اللہ تعالیٰ کے معزز بندوں میں سے ہوگا۔"

ایک اور مقام پر اسی پیشگوئی پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ پیشگوئی کہ مسیح موعود کی اولاد ہوگی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا اُسکی نسل سے ایک شخص پیدا کرے گا جو اس کا جانشین ہوگا اور دینِ اسلام کی حمایت کرے گا جیسا کہ میری بعض پیشگوئیوں میں خبر آچکی ہے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ 212)

اس موعود فرزند کے متعلق حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے علاوہ قدیم روحانی صحیفوں میں بھی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی پیشگوئی کے تذکرہ میں یہود کی شریعت کی بُنیادی کتاب ''طالمود'' میں لکھا ہے:

''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (یعنی مسیح) وفات پا جائے گا اور اس کی سلطنت اس کے بیٹے اور پوتے کو ملے گی۔ اس رائے کے ثبوت میں یسعیاہ باب 42 آیت 4 کو پیش کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے وہ ماندنہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرے''

(طالمود۔ مرتبہ جوزف برکلے باب پنجم مطبوعہ لندن1878)

طالمود کی اس پیشگوئی کے بعد ہم زرتشت علیہ السلام (جو مسیح علیہ السلام سے ایک ہزار سال قبل ایران میں گزرے ہیں) کی بڑی واضح پیشگوئی درج کرتے ہیں۔ یہ پیشگوئی زرتشتی مذہب کے صحیفہ دساتیر میں دینِ زرتشت کے مجدّد دساسانِ اوّل نے تحریر کی ہے۔ اصل پیشگوئی پہلوی زبان میں ہے جس کو زرتشتی اصحاب نے فارسی زبان میں ڈھالا ہے:

''چوں ہزار سال تازی آئین راگذر و چناں شود آں آئین از جدائی ہا کہ اگر بآئیں گرنمائند نداندش۔۔۔ درافتد درہم وکنند خاک پرستی و روز بروز جدائی ودشمنی در آنہا افزوں شود۔۔۔ پس شمایا بید خوبی راگر ماند یکدم از ہمیں خرج انگیزم از کسانِ تو د کے وآئیں وآب تو بہ تو رسانم و پیغمبری و پیشوائی از فرزندان تو برانگیزم''

(سفرنگ و دساتیر صفحہ 190 ملفوظات حضرت زرتشتؑ مطبوعہ 1280ھجری مطبع سراجی دھلی)

ترجمہ:

''پھر شریعتِ عربی پر ہزار سال گزر جائیں گے تو تفرقوں سے دین ایسا ہو جائے گا کہ اگر خود شارع (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ بھی اسے پہچان نہ سکے گا۔۔۔ اور ان کے اندر انشقاق اور اختلاف پیدا ہو جائے گا اور روز بروز اختلاف اور باہمی دشمنی میں بڑھتے چلے جائیں گے۔۔۔ جب ایسا ہوگا تو تمہیں خوشخبری ہو کہ اگر زمانہ میں ایک دن بھی باقی رہ جائے تو تیرے لوگوں سے (فارسی الاصل) ایک شخص کو کھڑا کروں گا جو تیری گمشدہ عزت وآبرو واپس لائے گا اور اسے دوبارہ قائم کرے گا۔ میں پیغمبری و پیشوائی (نبوّت وخلافت) تیری نسل سے نہیں اٹھاؤں گا۔''

پیشگوئی مندرجہ بالا کے آخری فقرہ کہ پیغمبری و پیشوائی از فرزندان تو برانگیزم میں یہ اشارہ ہے کہ آخری زمانہ کا موعود جب آئے گا تو اس کی اولاد میں سے کوئی اس کا جانشین ہوگا۔

حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب ولی نے بھی اس آخری زمانے کے مامور کے بارہ میں پیشگوئی فرمائی ہے۔ آپ اُمت مسلمہ کے مشہور صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔ آپ نے آخری زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی منظوم کلام میں فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں:

قدرتِ کردگار مے بینم حالتِ روز گار مے بینم
از نجوم ایں سخن نمی گوئیم بلکہ از کردگار مے بینم
غین رے سال چوں گذشت از سال بوالعجب کاروبار مے بینم
گر در آئینہء ضمیرِ جہاں گرد و زنگ و غبار مے بینم
ظلمتِ ظلم ظالمانِ دیار بے حدّ و بے شمار مے بینم
جنگ و آشوب و فتنہ و بے داد درمیان و کنار مے بینم
بندہ را خواجہ وش ہمے یابم خواجہ را بندہ وار مے بینم
سکہ نو ز نند بر رُخ زر درہمش کم عیار مے بینم
بعضے اشجار بوستانِ جہاں بے بہار و ثمار مے بینم
غم مخور زانکہ من دریں تشویش خُرّمی وصل یار مے بینم
چُوں زمستان بے چمن بگذشت شمس خوش بہار مے بینم

ان اشعار میں حضرت مسیح موعود اور مہدی مسعود کے ظہور سے قبل کے انقلابات کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ پھر مسیح موعود کے زمانہ اور نام کی تعیّین کی گئی ہے:

ا ح م و دال مے خوانم ! نامِ آں نامدار مے بینم
احـــمـــد

پھر فرماتے ہیں:

دَورِ اُوں چوں شود تمام بکام پسرش یادگار مے بینم

(الاربعین فی احوال المھدیین از حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ۔ مطبوعہ نومبر 1851 مصری گنج، کلکتہ)

یعنی جب اس کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گزر جائے گا تو اُس کے نمونہ پر اُس کا بیٹا یادگار رہ جائے گا۔

(ماخوذ از سوانح فضلِ عمرؓ صفحات 65-68)

حضرت فضلِ عمر رضی اللہ عنہ کے بابرکت وجود سے متعلق دو عظیم بشارات کا تذکرہ

حضرت مولانا غلام رسول قدسی راجیکی رضی اللہ عنہ

سہارنپور میں ایک کشفی نظارہ

حضرت مولانا غلام رسول قدسی راجیکیؓ اپنی تصنیف حیاتِ قدسی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے متعلق اپنے ایک کشف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

خاکسار سہارنپور میں بسلسلۂ تبلیغ وارد تھا کہ ایک دن میں نے کشفی نظارہ دیکھا کہ میں دارالمسیح میں مقیم افراد میں سے ایک ہوں۔ اُس وقت سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بھی دارالمسیح کے کمروں اور صحن میں پھرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

اسی اثناء میں میں کیا دیکھتا ہوں کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز دارالمسیح کے ایک کمرہ سے باہر تشریف لائے ہیں۔ آپ نے نہایت ہی خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ اس لباس پر بے شمار ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ جن کی خوبصورتی اور چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ حضور کے سر پر ایک تاج ہے۔ جو ہیروں اور جواہرات سے مرصّع ہے۔ اور بہت خوشنما ہے۔ اور کانوں میں نہایت خوبصورت الماس کے آویزے ہیں۔

اس کے دوسرے تیسرے روز بعد رات کو رویاء میں دیکھا کہ ایک بہت اونچا اور خوش منظر پہاڑ ہے۔ جس پر ہر طرف سبزہ زار نظر آتا ہے۔ اور ایک طرف کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر شدہ ہیں۔ وہاں پر ایک وسیع وعریض صحن ہے۔ جس میں ایک طرف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ اور سامنے ایک میز رکھی ہے۔ اور پاس ہی ایک دوسری کرسی پر بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ چنانچہ میں حسبِ ارشاد اس کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس وقت میرے ذہن میں ایک عجیب خیال پیدا ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ میں حضور سے سوال کروں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا تھا کہ میرے بچے ابراہیم کے لئے جنت میں ایک مرضعہ مقرر کی گئی ہے۔ جو اسے دودھ پلاتی ہے۔ میں نے حدیث کی اس روایت کے متعلق یہ استفسار کیا کہ کیا وہ مرضعہ ابھی تک جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دودھ پلائے جا رہی ہے۔ یا اب دودھ پلانے کا زمانہ حضرت ابراہیم کے لئے ختم ہو چکا ہے۔

میرے اس استفسار کے جواب میں میں نے دیکھا کہ حضور کے ہاتھ میں قرآن کریم ہے۔ اور آپ کا منہ یورپ کی طرف ہے۔ اور قرآن کریم سے آپ سورہ انبیاء تلاوت فرما رہے ہیں۔ اسی حالت میں میری حالت نوم سے یقظہ میں تبدیل ہوگئی۔ اور میں بیدار ہوگیا۔ بیداری کے بعد میں تعجب سے اس رویا کی تعبیر کے متعلق غور کرتا رہا۔ تو مجھے یہ تفہیم ہوئی کہ حضور کا میرے جواب میں قرآن کریم کی سورۂ انبیاء کی تلاوت کرنا اور یورپ کی طرف منہ کرنا ان معنوں میں ہے کہ حضرت ابراہیم ابنِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے اس وقت آپ بروز ہیں۔

اور جو تبلیغی کام انبیاء کے فرائض میں سے ہے وہ اللہ تعالےٰ اس وقت آپ سے لے رہا ہے۔ اور آپ کی توجہ کا رُخ تبلیغ رسالت کے اعتبار سے یورپ کی طرف ہے۔ اور یتزوّج و یولد کی پیشگوئی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اسکے بھی آپ مصداق ہیں۔ وَاللہ اعلم بالصّواب۔

(حیاتِ قدسی حصہ پنجم صفحہ 58-59)

"مبارک دوشنبہ"

1947 کے جلسہ سے فارغ ہو کر خاکسار سیدی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کے ارشاد کے ماتحت بعض تربیتی امور کی انجام دہی کے لئے لالہ موسیٰ ٹھہرا۔ وہاں پر مکرمی ماسٹر نعمت اللہ خان صاحب گوہر بھی کسی رشتہ دار کو ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے میری آمد کے متعلق سُن کر میری ملاقات کے لئے آگئے اور فرمانے لگے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا الہام

"دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ"

المصلح الموعود کے لئے بطور علامت کے ہے۔

لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش ہفتہ یعنی شنبہ کے دن ہوئی اور آپ خلیفہ بھی ہفتہ کے دن ہوئے اور دوشنبہ یعنی سوموار سے آپ کا کوئی تعلق

معلوم نہیں ہوتا۔پس آپ کس طرح مصلح موعود ہوئے۔

میں نے کہا کہ آپ نے تو اپنی تشریح سے ثابت کر دیا ہے کہ سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ الودود مصلح موعود کی پیشگوئی کے مصداق ہیں۔جب حضور کی ولادت شنبہ کو ہوئی اور آپ مسند خلافت پر بھی شنبہ کے دن بیٹھے۔تو یہ مبارک ''شنبہ'' ہوئے۔ایک شنبہ ولادت کا اور دوسرا شنبہ خلافت کا اور یہ دونوں دن ہی باعث صد مبارک اور مسرت ہیں۔

اس پر ماسٹر گوہر صاحب فرمانے لگے کہ لیکن عربی میں جہاں اس پیشگوئی کا ذکر ہے وہاں پر یہ الفاظ ہیں

یوم الاثنین فو اھًا لک یا یوم الاثنین

اور یوم الاثنین سوموار کے دن کو کہتے ہیں نہ کہ ہفتہ کے دن کو۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلح موعود کی پیدائش کا دن سوموار ہے نہ کہ ہفتہ۔میں نے عرض کیا ''یـــوم الاثـــنـــین'' کے لفظ کے اندر دونوں طرح کے مفہوم پائے جاتے ہیں اس کے عام معروف معنے تو سوموار کے دن کے ہیں۔لیکن اثنین اور یوم کی اضافت کی رُو سے اس سے مراد دو امور سے تعلق رکھنے والے دن کے ہیں اور وہ دو امور المصلح الموعود کا تولد اور خلافت ہیں۔جن کا تعلق شنبہ یعنی ہفتہ سے ہے اور اگر دوسرے تائیدی قرائن مثلاً مصلح موعود کے اسماء مبارکہ میں سے محمود، فضلِ عمر، بشیر ثانی، کلمۃ اللہ، عالمِ کباب وغیرہ کو سامنے رکھتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ذات صفات اور افعال پر نظر ڈالی جائے تو آپ ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کے مصداق ٹھہرتے ہیں۔

اور دوشنبہ کے ساتھ مبارک کا لفظ اس لئے بھی بڑھایا گیا ہے کہ ہفتہ کا دن زحل ستارے کی نسبت رکھتا ہے جو آسمان ہفتم کا ستارہ ہے اور ماہرینِ علوم نجوم دوسرے ستاروں کی نسبت اسے جلالی اور قہری تجلّیات والا ستارہ قرار دیتے ہیں اور قہری حوادث سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اسے منحوس قرار دیتے ہیں۔سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' کے صفحات 180 تا 183 میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ضمن میں ستاروں کی ایک تاثیر کا ذکر فرمایا ہے۔اور خود المصلح الموعود کا ایک صفاتی نام ''عالمِ کباب'' بھی ہے۔جس کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

''عالمِ کباب سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد۔۔۔دُنیا پر ایک سخت تباہی آئے گی۔گویا دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔اس وجہ سے اس لڑکے کا نام عالمِ کباب رکھا گیا۔''غرض وہ لڑکا اس لحاظ سے کہ ہماری دولت اور اقبال کی ترقی کے لئے ایک نشان ہوگا بشیر الدولہ کہلائے گا اور اس لحاظ سے کہ مخالفوں کے لئے قیامت کا نمونہ ہوگا عالمِ کباب کے نام سے موسوم ہوگا۔'' (تذکرہ صفحہ 563)

پس یہ جلالی شان زحل ستارے کی نسبت ظاہر کرتی ہے کہ مصلح موعود کی پیدائش اور خلافت ہفتہ کے روز ہی مقدر تھی اور چونکہ منجمین کے نزدیک یہ ستارہ نحس سمجھا جاتا تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ''مبارک'' کا لفظ الہام میں رکھا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ المصلح الموعود کا وجود جلالی شان اور قہری نشانات رکھنے کے باوجود بہت ہی بابرکت اور موجبِ رحمت ہے۔

میرا یہ بیان سُن کر مکرمی ماسٹر گوہر صاحب کہنے لگے کہ اچھا اب معلوم ہوا کہ دوشنبہ سے کیا مراد ہے۔میں نے کہا کہ یہ تاویل میں نے آپ کی توضیح کے مطابق کی ہے ورنہ ہوسکتا ہے کہ سیدنا المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے آئندہ واقعات میں کوئی عظیم الشان نشان سوموار کے دن ظہور میں آ جائے چنانچہ الہام ''یوم الاثنین و فتح الحنین'' (تذکرہ صفحہ 437) سے معلوم ہوتا ہے فتح حنین کے مشابہ کوئی عظیم الشان نشان سوموار کو ظہور میں آئے گا۔

اور تذکرہ صفحہ 114 پر اس طرح مرقوم ہے:۔

''بعالمِ کشف چند ورق ہاتھ میں دئے گئے اور ان پر لکھا ہوا تھا۔فتح کا نقارہ بجے پھر ایک نے مسکرا کر ان ورقوں کی دوسری طرف ایک تصویر دکھائی اور کہا "دیکھو کیا کہتی ہے تصویر تمہاری" جب اس عاجز نے دیکھا تو وہ اس عاجز کی تصویر تھی اور سبز پوشاک تھی مگر نہایت رعب ناک جیسے سپہ سالار مسلّح فتحیاب ہوتے ہیں اور تصویر کے یمین و یسار میں "حجۃ اللہ القادر" اور "سلطان احمد مختار" لکھا تھا اور یہ سوموار کا روز اور انیسویں ذوالحجہ 1300ھ تھا۔''

اس عبارت سے جو الہامی اور کشفی ہے بہت سے امور ظاہر ہوتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ سوموار کے دن کو سلسلہ عالیہ احمدیہ کی کسی فتح عظیم سے تعلق ہے جو بہت ہی مبارک ہوگی ہوسکتا ہے کہ قادیان کی واپسی کا دن جو فاتحانہ شان سے تعلق رکھتا ہے۔سیدنا المصلح الموعود ایدہ اللہ تعالیٰ کے بابرکت وجود کے ساتھ سوموار کا دن ہی ہو اور فتح کا نقارہ سوموار کو ہی بجے واللہ اعلم باسرارہ۔

(حیاتِ قدسی حصہ پنجم صفحہ 63-65)

حضرت مصلح موعودؓ کے بچپن کے چند واقعات

’’اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا‘‘

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ یہ بشارت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی پیدائش اور ابتدائی عمر سے ہی اپنے کرشمے دکھانا شروع ہوگئی۔ خدا نے خود اس صاحب شکوہ کی اپنی جناب سے پرورش کا بہترین انتظام فرمایا اور آپ کی تربیت کی ابتداء خدا کے ایک نبی، اور آپ کے والد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پُر شفقت آغوش میں ہوئی۔ آپ کی ابتدائی عمر کے چند واقعات درج ذیل ہیں:

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ حضرت مرزا محمود صاحبؓ کے بچپن کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ میں قیام فرما تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ محمود کوئی تین برس کا ہوگا۔ گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ میں دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرتؑ کے اِدھر اُدھر کی باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرتؑ اسے گود میں لئے پھرتے تھے اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپؑ نے کہا دیکھو محمود! وہ کیسا تارا ہے!! بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا اور ذرا چپ ہوکر پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کردیا ’’ابا تارے جانا‘‘ (یعنی ابا میں ستارے پر جاؤں گا۔ ناقل) کیا مجھے مزا آیا اور پیارا معلوم ہوا! آپؑ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا یہ اچھا معلوم ہوا۔ ’’ہم نے ایک راہ نکالی تھی، اُس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکال لی۔‘‘ آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا، چُپ ہوگیا۔ مگر اس سارے عرصے میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا۔‘‘

(سیرت حضرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریمؓ صفحہ 30-31)

ذکر ملتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب پر سختی نہیں کی تھی، خواہ ان کے کسی فعل سے آپؑ کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچی ہو۔ لیکن جہاں اسلامی تعلیمات کے خلاف کچھ ہوجاتا تو وہاں مناسب انداز میں سرزنش کئے جانے کے واقعات بھی ملتے ہیں۔ اسی ضمن میں حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے بچپن کے دو اور واقعات لکھے جاتے ہیں۔ حضرت مولوی عبدالکریمؓ بیان کرتے ہیں کہ:

’’محمود چار ایک برس کا تھا۔ حضرتؑ معمولاً اندر بیٹھے لکھ رہے تھے۔ میاں محمود دیا سلائی لے کر وہاں آئے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول تھا۔ پہلے کچھ دیر آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے پھر جو کچھ دل میں آئی حضرت صاحبؑ کے لکھے ہوئے مسوّدات کو آگ لگادی۔ اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے۔ اور حضرتؑ لکھنے میں مصروف ہیں، سر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسوّدات راکھ کا ڈھیر ہوگئے اور بچوں کو کسی اور مشغلے نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ حضرت کو سیاقِ عبارت ملانے کے لئے کسی گزشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سے پوچھتے ہیں، خاموش دبکا جاتا ہے۔ آخر ایک بچہ بول اٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دیئے ہیں۔ عورتیں اور بچے اور گھر کے سب لوگ انگشت بدنداں، اب کیا ہوگا اور درحقیقت عادتاً ان سب کو علیٰ قدر مراتب بُری حالت اور مکروہ نظارہ کے پیش آنے کا گمان اور انتظار تھا اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ مگر حضرتؑ مسکرا کر فرماتے ہیں، خُوب ہوا، اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔‘‘

ایک اور واقعہ جو تعلیم و تربیت کا پُر حکمت پہلو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ:

’’حضرت صاحبزادہ کا اپنا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایک کُتا ہمارے دروازے پر آیا۔ میں نے اس کتے کو اشارہ کیا اور کہا "ٹیپو! ٹیپو!! ٹیپو!!!" حضرت صاحب بڑے غصے سے باہر نکلے اور فرمایا "تمہیں شرم نہیں آتی کہ انگریز نے تو دشمنی کی وجہ سے اپنے کتوں کا نام ایک صادق مسلمان کے نام پر ٹیپو رکھ دیا ہے اور تم اُن کی نقل کرکے کتے کو ٹیپو کہتے ہو۔ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔‘‘ میری عمر شاید آٹھ نو سال کی

تھی۔ وہ پہلا دن تھا جب سے میرے دل کے اندر سلطان ٹیپو کی محبت قائم ہوگئی۔''

(الفضل یکم اپریل 1985 صفحہ 3)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بلاشک وشبہ ایک نہایت شفیق باپ تھے اور ذکر ملتا ہے کہ انہیں خصوصاً حضرت مرزا محمود احمد سے بہت محبت تھی اور سوائے اشد ضرورت کے کبھی ان کے ساتھ سختی کا سلوک نہ کیا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی جائز خواہشات کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن جہاں آپؑ کو محسوس ہوتا کہ اسلام کے نام پر زد پڑتی ہے یا حضرت مرزا محمود احمد صاحب کی تربیت پر بُرا اثر پڑسکتا ہے وہاں آپ فوراً توجہ فرماتے۔ خود حضرت مرزا محمود احمد صاحب کو بھی حضرت صاحبؑ کی ناراضگی سے بہت خوف محسوس ہوتا یا دوسرے الفاظ میں وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپؑ ان سے کبھی بھی ناراض ہوں۔ ایسا ہی بلوغت سے قبل کا اپنا ایک واقعہ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ بیان کرتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت صاحبؑ کچھ بیمار تھے۔ اس لئے جمعہ کے لئے مسجد میں نہ جاسکے۔ میں اس وقت بالغ نہیں تھا کہ بلوغت والے احکام مجھ پر جاری ہوں۔ تاہم میں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد کو آرہا تھا کہ ایک شخص مجھے ملا۔ اس وقت کی عمر کے لحاظ سے تو شکل اس وقت تک یاد نہیں رہ سکتی تھی مگر اس واقعہ کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ اب تک مجھے اس شخص کی صورت یاد ہے۔ محمد بخش اُن کا نام ہے۔۔۔ میں نے اُن سے پوچھا آپ واپس آرہے ہیں' کیا نماز ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا'' آدمی بہت ہیں مسجد میں جگہ نہیں تھی' میں واپس آگیا۔'' میں بھی یہ جواب سن کر واپس آگیا اور گھر میں آکر نماز پڑھ لی۔ حضرت صاحبؑ نے یہ دیکھ کر مجھ سے پوچھا'' مسجد میں نماز پڑھنے کیوں نہیں گئے؟'' خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ میں بچپن سے ہی حضرت صاحب کا ادب اُن کے نبی ہونے کی حیثیت سے کرتا تھا۔ میں نے دیکھا آپؑ کے پوچھنے میں ایک سختی تھی اور آپ کے چہرہ سے غصہ ظاہر ہوتا تھا۔ آپ کے اس رنگ میں پوچھنے کا مجھ پر بہت ہی اثر ہوا۔ جواب میں میں نے کہا کہ میں گیا تو تھا لیکن جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واپس آگیا۔ آپ سُن کر خاموش ہوگئے لیکن جس وقت جمعہ پڑھ کر مولوی عبدالکریم صاحبؓ آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے کے لئے آئے تو سب سے پہلی بات جو حضرت مسیح موعودؑ نے آپ سے دریافت کی' وہ یہ تھی کہ آج لوگ مسجد میں زیادہ تھے؟ اس وقت میرے دل میں سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی کیونکہ میں خود تو گیا ہی نہیں تھا۔ معلوم نہیں بتانے والے کو غلطی لگی یا مجھے اس کی بات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں ان کی بات سے یہ سمجھا تھا کہ مسجد میں جگہ نہیں ہے۔ مجھے فکر یہ ہوئی کہ اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے یا بتانے والے کو ہوئی ہے' دونوں صورتوں میں الزام مجھ پر آئے گا کہ میں نے جھوٹ بولا مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے جواب دیا۔'' ہاں حضورؑ! آج واقعہ میں بہت لوگ تھے۔'' میں اب بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ خُدا نے میری بریّت کے لئے یہ سامان کردیا کہ مولوی صاحب کی زبان سے بھی تصدیق کرادی کہ فی الواقعہ اس دن غیر معمولی طور پر لوگ آئے تھے۔ بہر حال یہ ایک واقعہ ہے جس کا آج تک میرے قلب پر گہرا اثر ہے۔''

(الفضل 18/ جون 1925 صفحہ 7)

حضرت مرزا صاحبؓ کی ذات میں اپنے دوستوں، خیر خواہوں اور متبعین کے اچھے مشوروں اور نصائح پر عمل کرنے کی خوبی بھی نظر آتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ذہن میں پہلے سے موجود کسی غلط نقش کو ردّ کرتے ہوئے صحیح انداز اپنانے کا ملکہ بھی خصوصیت سے آپ کو عطا ہوا تھا۔ آپ اس میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے کہ اپنے متبعین میں سے کسی کے صحیح مشورہ کو مانا جائے بلکہ انہیں اپنا محسن گردانتے ہوئے عمر بھر ان کے لئے دعا گو رہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے الفاظ میں درج ہے، گو کہ یہ آپؓ کے بچپن کا واقعہ نہیں لیکن اس سے حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت ام المؤمنین کی اعلیٰ تربیت کی جو چھاپ آپ کی شخصیت پر تھی اور جس کے نتیجہ میں اسلام کے لئے شدید محبت اور غیرت آپ کے دل میں گھر کرگئی تھی' اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

'' واقعہ یوں ہے کہ 1955 میں جب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امامِ جماعتِ احمدیہ بغرض علاج انگلستان تشریف لے گئے تو حضور کے دوسرے کئی بچوں کی طرح مجھے بھی حضورؓ کی معیّت کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں ایک موقعہ پر کھانا کھاتے ہوئے مکرم ومحترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب سے انگریزی لباس کے مسئلہ پر گفتگو چل پڑی۔ محترم چوہدری صاحب چونکہ خود کوٹ پتلون استعمال فرماتے تھے اس لئے چاہتے تھے کہ ایک دفعہ کُھل کر حضور اس بارہ میں کوئی فیصلہ صادر فرمائیں۔ اس موقع پر حضرت صاحب نے جو مؤقف اختیار فرمایا' وہ وہی تھا جس کا میں ذکر کر آیا ہوں' یعنی یہ لباس خصوصاً اس لئے آپ کو ناپسند تھا کہ یہ ہماری قوم کی غلامانہ ذہنیت کا آئینہ دار تھا۔ آخر یہ کیا وجہ ہے کہ انگریزوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں ہمارا لباس نہیں اپنایا بلکہ وہ اپنے لئے اُسے ذِلّت کا مُوجب سمجھتے رہے۔ ایسی

صورت میں آپ کے نزدیک یہ بے غیرتی اور بے حمیتی تھی کہ اُن کے لباس کو اختیار کیا جائے۔ حضورؓ کا یہ جواب سن کر محترم چوہدری صاحب نے گزارش کی کہ اب تو وہ صورتِ حال باقی نہیں اور کیا انگریز اور کیا امریکن سب مغربی قومیں بکثرت ہمارا لباس اختیار کرنے لگی ہیں لہٰذا وہ کراہت باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ مکرم چوہدری صاحب نے یہ بھی گزارش کی کہ مرورِ زمانہ سے اب آہستہ آہستہ یہ انگریزی لباس ایک بین الاقوامی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور مشرقِ بعید کی دوسری آزاد اور باغیرت قومیں بھی اسے اپنا چکی ہیں' نیز ہمارے لباس کی نسبت یہ کچھ سستا بھی پڑتا ہے۔ خاص طور پر یورپین ممالک میں شلوار' قمیص اور اچکن کو صاف ستھرا رکھنا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ہاں ایسی صورت میں تو کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں رہتی البتہ ٹائی لگانے کے متعلق مجھے یہ تردّد ہے کہ کہیں یہ صلیب کی علامت نہ ہو اس لئے بغیر ٹائی کے استعمال کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ چوہدری صاحب نے اس کے جواب میں جو گزارش کی وہ یہ تھی کہ ٹائی صلیب کی علامت یقیناً نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہودی قوم کبھی بھی اسے نہ اپناتی۔ نیز ٹائی دراصل سرد ممالک کے اس رومال کی بدلی ہوئی صورت ہے جو گردن کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ قومیں استعمال کرتی تھیں' بعد ازاں اس کا کام صرف کالر کو بند کرنے کا رہ گیا۔ اس استدلال کو قبول کرتے ہوئے حضور نے نہ صرف اس کی اجازت فرمائی بلکہ محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب مرحومؓ کو جو سفر میں حضورؓ کے ہمراہ تھے' بطور لطیفہ ٹائی کا تحفہ بھی مرحمت فرمایا۔''

(سوانح فضلِ عمرؓ صفحہ جلد اوّل صفحہ95)

صداقتِ ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت جہاں آپ کو اپنے والدین کی تربیت کے نتیجہ میں ملا تھا اس سے کہیں بڑھ کر آپ کے اندر خود خدا کی کھوج کی شمعیں بچپن سے روشن تھیں۔ خدا کے ہونے کے تصور اور اس کائنات کے اسرار و رموز پر غور و تدبّر شروع سے آپ کی سوچ و فکر کا مرکز بنے رہے۔ آپؓ اس ضمن میں فرماتے ہیں:

''میں علمی طور پر بتلاتا ہوں کہ میں نے حضرت صاحبؑ کو والد ہونے کی وجہ سے نہیں مانا تھا بلکہ جب میں گیارہ سال کے قریب کا تھا تو میں نے مصمّم ارادہ کیا تھا کہ اگر میری تحقیقات میں وہ نعوذ باللہ جھوٹے نکلے تو میں گھر سے نکل جاؤں گا۔ مگر میں نے ان کی صداقت کو سمجھا اور میرا ایمان بڑھتا گیا حتّٰی کہ جب آپ فوت ہوئے تو میرا یقین اور بھی بڑھ گیا۔''

(الفضل 23/اگست1914صفحہ5)

خدا سے آپ کو والہانہ عشق تھا۔ آپ گھنٹوں توکل علی اللہ اور خدا کی صفات پر فی البدیہہ تقاریر فرماتے اور اس عرفان کے چشمے سے سامعین بھی بھرپور اثر قبول کرتے جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ آپؓ کی ذات وہ پاک ذات ہے کہ ''خدا کی رحمت اور غیوری نے اُسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے'' اور ''خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا''۔ ہے۔ یہ تصور کہ خدا کی ہستی موجود ہے اور اس تصور کا حقیقی ادراک آپؓ کو کس عمر میں ہوا' آپؓ کے ہی الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے:۔

''1900 میرے قلب کو اسلامی احکام کی طرف توجہ دلانے کا موجب ہوا۔ اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے لئے کوئی شخص چھینٹ کی قسم کے کپڑے کا ایک جُبّہ لایا تھا۔ میں نے آپ سے وہ جُبّہ لے لیا تھا کسی اور خیال سے نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کا رنگ اور اس کے نقش مجھے پسند تھے' میں اسے پہن نہیں سکتا تھا کیونکہ اس کے دامن میرے پاؤں سے نیچے لٹکتے رہتے تھے۔

جب میں گیارہ سال کا ہوا اور 1900 نے دنیا میں قدم رکھا تو میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں خدا تعالیٰ پر کیوں ایمان لاتا ہوں' اس کے وجود کا کیا ثبوت ہے؟ میں دیر تک رات کے وقت اس مسئلہ پر سوچتا رہا۔ آخر دس گیارہ بجے میرے دل نے فیصلہ کیا کہ ہاں ایک خدا ہے۔ وہ گھڑی میرے لئے کیسی خوشی کی گھڑی تھی جس طرح ایک بچے کو اس کی ماں مل جائے تو اسے خوشی ہوتی ہے اسی طرح مجھے خوشی تھی کہ میرا پیدا کرنے والا مجھے مل گیا۔ سماعی ایمان علمی ایمان سے تبدیل ہو گیا۔ میں اپنے جامہ میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ میں نے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور ایک عرصہ تک کرتا رہا کہ خدایا! مجھے تیری ذات کے متعلق کبھی شک پیدا نہ ہو۔ اس وقت میں گیارہ سال کا تھا۔۔۔ مگر آج بھی اس دُعا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ میں آج بھی یہی کہتا ہوں ''خدایا تیری ذات کے متعلق مجھے کبھی شک پیدا نہ ہو۔'' ہاں اُس وقت میں بچہ تھا۔ اب مجھے زائد تجربہ ہے۔ اب میں اس قدر زیادتی کرتا ہوں کہ خدایا مجھے تیری ذات کے متعلق حق الیقین پیدا ہو۔

جب میرے دل میں خیالات کی وہ موجیں پیدا ہونی شروع ہوئیں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے تو ایک دن ضحٰی کے وقت یا اشراق کے وقت میں نے وضو کیا اور وہ جُبّہ اس وجہ سے نہیں کہ خوبصورت ہے' بلکہ اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے اور متبرک ہے یہ پہلا احساس میرے دل میں خدا تعالیٰ کے فرستادہ کے مقدس ہونے کا تھا، پہن لیا تب میں نے اس کوٹھڑی کا جس میں میں رہتا تھا دروازہ بند کر لیا اور

ایک کپڑا بچھا کر نماز پڑھنی شروع کی اور میں اس میں خوب رویا خوب رویا، خوب رویا اور اقرار کیا کہ اب نماز کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اس گیارہ سال کی عمر میں مجھ میں کیسا عزم تھا!! اس اقرار کے بعد میں نے کبھی نماز نہیں چھوڑی گو اس نماز کے بعد کئی سال بچپن کے ابھی باقی تھے میرا وہ عزم میرے آج کے ارادوں کو شرماتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم میں کیوں رویا فلسفی کہے گا۔ اعصابی کمزوری کا نتیجہ ہے، مذہبی کہے گا تقویٰ کا جذبہ تھا مگر میں جس سے یہ واقعہ گزرا کہتا ہوں، مجھے معلوم نہیں میں کیوں رویا؟ ہاں یہ یاد ہے کہ اس وقت میں اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ پھر کبھی نماز نہیں چھوڑوں گا اور وہ رونا کیسا بابرکت ہوا!! اور وہ افسردگی کیسی راحت بن گئی! جب اس کا خیال کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ وہ آنسو ہسٹیریا کے دورہ کا نتیجہ نہ تھے۔ پھر وہ کیا تھے؟ میرا خیال ہے وہ شمس رُوحانی کی گرم کر دینے والی کرنوں کا گرایا ہوا پسینہ تھے۔ وہ مسیح موعودؑ کے کسی فقرہ یا کسی نظر کا نتیجہ تھے اگر یہ نہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر وہ کیا تھے؟''

(الحکم جوبلی نمبر دسمبر 1939)

آپؓ کو اپنے والد سے ایک خدا کے سچے فرستادہ کی نسبت سے جو عشق تھا اس کا احساس آپ کو بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ روزمرّہ کے واقعات اس احساس کا ثبوت فراہم کرتے رہے۔ آپؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کس درجہ محبت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''کئی دفعہ اس واقعہ کو یاد کر کے ہنسا بھی ہوں اور بسا اوقات میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے ہیں۔ مگر میں اسے بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا کرتا ہوں اور مجھے اپنی زندگی کے جن واقعات پر ناز ہے اُن میں وہ ایک حماقت کا واقعہ بھی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں ایک رات ہم سب صحن میں سو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا کہ آسمان پر بادل آیا اور زور سے گرجنے لگا۔ اسی دوران میں قادیان کے قریب ہی کہیں بجلی گر گئی۔ مگر اس کی کڑک اس زور کی تھی کہ قادیان کے ہر گھر کے لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ بجلی شاید اُن کے گھر میں ہی گری ہے۔۔۔ اس کڑک اور کچھ بادلوں کی وجہ سے تمام لوگ کمروں میں چلے گئے۔ جس وقت بجلی کی یہ کڑک ہوئی، اس وقت ہم بھی جو صحن میں سو رہے تھے اُٹھ کر اندر چلے گئے۔ مجھے آج تک وہ نظارہ یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب اندر کی طرف جانے لگے تو میں نے دونوں ہاتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر پر رکھ دیئے کہ اگر بجلی گرے تو مجھ پر گرے، اُن پر نہ گرے۔ بعد میں جب میرے ہوش ٹھکانے آئے تو مجھے اپنی اس حرکت پر ہنسی آئی کہ ان کی وجہ سے تو ہم نے بجلی سے بچنا تھا نہ یہ کہ ہماری وجہ سے وہ بجلی سے محفوظ رہتے۔ میں سمجھتا ہوں میری وہ حرکت ایک مجنون کی حرکت سے کم نہیں تھی۔ مگر مجھے ہمیشہ خوشی ہوا کرتی ہے کہ اس واقعہ نے مجھ پر بھی اس محبت کو ظاہر کر دیا جو مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تھی۔۔۔''

(الفضل 25/جنوری 1940)

یہ تھے چند واقعات ایک ایسے ہونہار بچے کے جو ایک موعود بیٹا تھا اور جس نے بڑے ہو کر تمام دنیا کی اصلاح کے لئے مصلح موعود بننا تھا اور جس کی آمد کے تذکرے صدیوں پہلے سے سننے میں آ رہے تھے۔ خدا کے ایک سچے فرستادہ کے قرب میں اس بچے کی تربیت کیسے ہوئی اور خدا کے فضل اور اس تربیت کے نتیجے میں کیا معرکۃ الآراء شخصیت حضرت فضلِ عمرؓ کے پاکیزہ روپ میں دنیا کے سامنے آئی، اس کا صحیح اندازہ تو وہی خوش نصیب لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے آپ کا دورِ خلافت خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن آپؓ کی پُر معارف تصنیفات اور خطابات میں بیان شدہ حقائق اور معارف پر غور کرتے ہوئے آج کی نسلیں بھی روحانی فوائد حاصل کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر رہنا ہو راحت سے تو رہ کامل قناعت سے
کبھی بھی تر نہ ہو تیری زباں حرفِ شکایت سے

خدا سے پیار کر دل سے اگر رہنا ہو عزت سے
کہ ابراہیمؑ کی عزت تھی سب مولیٰ کی خُلّت سے

تری یہ عاجزی بالا ہے سب دنیا کی عزت سے
تجھے کیا کام ہے دُنیا کی رفعت اور شوکت سے

ترا دشمن بڑائی چاہتا ہے گر شرارت سے
تو اس کا توڑ دے مُنہ تُو محبت سے مروّت سے

ملا ہے علم سے مجھ کو نہ کچھ اپنی لیاقت سے
ملا ہے مجھ کو جو کچھ بھی سو مولیٰ کی عنایت سے

(کلامِ محمود)

انتخاب از منظوم کلام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

ہر چار سُو ہے شہرہ ہوا قادیان کا
مَسکن ہے جو کہ مہدیٔ آخر زمان کا

آئیں گے اب مسیحؑ دوبارہ زمیں پہ کیوں
نظّارہ بھا گیا ہے انہیں آسمان کا

عیسٰیؑ تو تھا خلیفۂ موسٰیؑ او جاہلو!
تم سے بتاؤ کام ہے کیا اُس جوان کا

تُم اُمّتِ مُحمّدِ خیرالرسلؐ سے ہو
ہے لُطف و فضل تم پہ اسی مہربان کا

کہتے ہیں وہ امام تمہارا تمہیں سے ہے
جو ہے بڑی ہی شوکت و جبروت و شان کا

سچ سچ کہو خُدا سے ذرا ڈر کے دو جواب
کیا تم کو انتظار نہ تھا پاسبان کا

اے قوم کچھ تو عقل وخرد سے بھی کام لے
لڑتی ہے جس سے مرد وہ ہے کیسی شان کا

گو لاکھ تو مقابلہ اُس کا کرے مگر
بیکا نہ بال ہوگا کوئی اس جوان کا

اے دوستو! جو حق کیلئے رنج سہتے ہو
یہ رنج و درد و غم ہے فقط درمیان کا

کچھ یاس و نا اُمیدی کو دل میں جگہ نہ دو
اب جلد ہو سکے گا یہ موسم خزان کا

اب اس کے پورا ہوتے ہی آجائے گی بہار
وعدہ دیا ہے حق نے تمہیں جس نشان کا

چاہا اگر خُدا نے تو دیکھو گے جلد ہی
چاروں طرف ہے شور بپا اَلْاَمَان کا

کافر بھی کہہ اُٹھیں گے وہ سچا بزرگ ہے
دعوٰی کیا ہے جس نے مسیح الزّمان کا

محمود کیا بعید ہے دل پر جو قوم کے
نالہ اثر کرے یہ کسی نوحہ خوان کا

محبوب وہر دلعزیز امام

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ

عبدالباسط شاھد

حضرت فضلِ عمرؓ کی سیرت میں یہ امر بہت نمایاں ہے کہ آپ کی طبیعت جلال و جمال کا ایک نہایت حسین امتزاج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو ذمہ داریاں تفویض فرمائی تھیں ان میں جماعت کے انتظامی امور کی سرانجام دہی بھی شامل تھی اور یہ امر یقینی ہے کہ کسی بھی انتظام کو صحیح خطوط پر چلانے کے لئے منتظم کے لئے ضروری ہے کہ وہ پوری طرح چوکس اور باخبر ہو اور اگر کسی حصہ میں کمزوری وستی یا کسی اور خرابی کے آثار نظر آئیں تو فوری طور پر ہر طرح کی حکمتِ عملی کو کام میں لاتے ہوئے جس میں نرمی اور سختی اپنے محل اور موقع پر استعمال ہو اس کی اصلاح کرے۔ وہ منتظم اور سربراہ جو اپنی ذمہ داری کو اس طرح پورا نہ کرے وہ اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام ہونے کے علاوہ خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل مؤاخذہ ٹھہرے گا۔ حضور کی زندگی میں مخالفت کی لہریں سمندر کے مدوجزر کی طرح برابر اٹھتی رہیں مگر ہر مخالفت اور مشکل کے وقت وہ اندرونی فتنہ ہو یا بیرونی مخالفت آپ نے بروقت کارروائی کرتے ہوئے ایک مستعد اور چوکس گلہ بان کی طرح جماعت کی بھرپور کامیاب رہنمائی فرمائی۔

آپ کی مخالفت میں جو طریق اختیار کیا گیا اس میں یہ امر بھی شامل تھا کہ موجودہ زمانہ کے فن پروپیگنڈا کے مطابق خود ساختہ غلط بات کو مبالغہ آرائی کے ساتھ بکثرت و بتکرار اس شدومد کے ساتھ پیش کیا جاوے کہ عوام کے ذہن میں نفرت و بیزاری کے جذبات پیدا ہو جائیں۔ اسی فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ آپ ایک ''مذہبی آمر'' ہیں۔ حالانکہ ظاہری تعداد و وسائل کے لحاظ سے ایک بہت ہی چھوٹی سی مذہبی جماعت جو ہر وقت رضائے الٰہی کے حصول کی جدوجہد میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بہتر سے بہتر ادائیگی کے لئے کوشاں ہو کے سربراہ پر ایسا الزام کسی طرح بھی قرین انصاف و قیاس نہیں ہوسکتا۔

اس الزام کو پرکھنے کے لئے قرآنی اصول کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سراسر بے بنیاد بات ہے کیونکہ قرآن مجید تو مذہبی آمر کیلئے ناکامی و نامرادی کی خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ مذہبی رہنما جو بدخلق اور سخت دل ہو اسے بنی نوع انسان میں قبولیت حاصل نہیں ہوسکتی اور لوگ اسے بے یارومددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ اس معیار کو ذہن میں رکھتے ہوئے جماعت میں قربانی، فدائیت اور جاں نثاری کا بے مثال جذبہ اور اس کے بے شمار شاندار عملی مظاہرے اس الزام کی تغلیط و تردید کرتے ہیں۔ افراد جماعت نے ہر مشکل وقت میں آگے بڑھ کر ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے ہوئے ہر قسم کی قربانی پیش کی اور ایک دو دن کی جذباتی قربانی نہیں بلکہ مسلسل عملی قربانی پیش کرتی چلی گئی اور پھر یہی نہیں کہ جماعت کا کوئی ایک خاص طبقہ ہی قربانی میں پیش پیش رہا بلکہ مردوعورت، بچے، بوڑھے، نوجوان، امیر، غریب سب ہی بڑے استقلال سے، بڑے عزم سے، بڑی بشاشت وخوش دلی سے قربانی کی محیرالعقول شاندار مثالیں پیش کرتے رہے جو نہایت روشن ومضبوط دلیل ہے اس امر کی کہ ان کے دلوں کو حسن واحسان کے جلووں نے اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔

خلق خدا میں قبولیت واحترام کی ایسی عمدہ مثال جو جماعت میں پائی جاتی ہے قرآنی اصول کے مطابق کسی مذہبی آمر کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

حضور نے قومی وملی مفاد کے ہر کام میں آگے بڑھ کر پورا پورا حصہ لیا مگر کبھی بھی نام و نمود کے حصول کی کوشش یا خواہش نہیں کی۔ آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں آپ ہمیشہ ایک ممبر کے طور پر شامل ہوتے رہے اس کی سربراہی آپ کے یا کسی احمدی کے ہاتھ میں نہ تھی لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کی ہر کامیابی میں آپ کا نمایاں حصہ تھا اور آپ نے دامے درمے سخنے کسی بھی لیڈر سے زیادہ مدد کی۔

مسلم لیگ کو قومی مفاد کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھتے ہوئے آپ نے اس کی ہر طرح مدد تو ضرور کی مگر ایک عام رکن سے زائد کسی عہدہ یا مفاد کی کبھی خواہش نہ کی۔

اس جگہ یہ امر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ **مسلم لیگ کا وہ اجلاس جس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ آئندہ اجلاس کی صدارت علامہ اقبال کریں گے حضرت مفتی محمد صادقؓ کی صدارت میں ہوا تھا جو اس مجلس میں حضور کے ذاتی**

نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے تھے۔ یاد رہے کہ اس اجلاس میں علامہ موصوف نے وہ خطبہ صدارت پڑھا تھا جسے بعد میں آنے والوں نے تصور پاکستان قرار دیا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے قیام کے موقع پر جب اکابرین قوم نے باصرار آپ سے اس کی قیادت وصدارت قبول کرنے کو کہا تو باوجود اپنی حد سے بڑھی ہوئی مصروفیات، اپنی غیر معمولی ذمہ داریوں اور رجحان طبع کے خلاف ہونے کے اس امر کو قبول کیا۔

صدر آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی حیثیت سے آپ نے اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ آپ نے کانگریسی مسلمانوں اور مجلس احرار کے ذمہ دار افراد سے جو جماعت کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے تھے رابطہ قائم فرمایا اور کوشش کی کہ اس اہم قومی کام میں ہر مکتب فکر کے افراد شانہ بشانہ شامل ہوں۔

جہاں تک جماعت کے اندرونی نظام کا تعلق ہے تو اپنوں اور غیروں کو اس امر کا اعتراف ہے کہ جماعت میں نہایت مضبوط و موثر اور مستحکم تنظیم پائی جاتی ہے۔ ذیلی تنظیموں لجنہ اماء اللہ، انصاراللہ، خدام الاحمدیہ، اطفال الاحمدیہ اور ناصرات الاحمدیہ کے عہدیدار با قاعدہ انتخاب سے مقرر ہوتے ہیں۔

انتخاب کا نظام اپنی جگہ بہت مکمل و جامع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعت میں شوریٰ کا نہایت عمدہ نظام موجود ہے جس میں نمائندگان منتخب ہو کر آتے ہیں اور بڑے وقار، متانت، سنجیدگی اور ذمہ داری سے جماعتی امور پر غور وفکر کرتے اور مشورے پیش کرتے ہیں اس وقت دنیا بھر میں یہ واحد نظام یا اکلوتی مثال ہے کہ جہاں اظہار رائے کی مکمل آزادی بھی ہے مگر کوئی حزب مخالف وحزب موافق اور دائیں بائیں بازو کی تفریق نہیں۔ سب منتخب ممبر خدا تعالیٰ کے خوف کو مد نظر رکھتے ہوئے مکمل غیر جانبداری سے اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ احباب جماعت کو خوب معلوم ہے کہ مجلس شوریٰ کا حسین و مستحکم نظام پورے طور پر حضرت فضل عمر کا قائم کردہ ہے جسے آپ نے اپنی قیادت کے بالکل ابتدائی زمانے میں شروع فرمایا اور قدم بہ قدم ترقی دیتے ہوئے نہایت مفید اور منفرد ادارہ کی شکل دے دی۔ یہ امر بھی آمریت کا الزام لگانے والوں کا ایک عملی اور مسکت جواب ہے۔

خدا تعالیٰ کے فضل سے ابھی ہم میں وہ لوگ موجود ہیں جنھوں نے حضور کو اپنے ہاتھوں سے قادیان کی گلیوں میں مٹی کھودتے اور مرمت وصفائی کے کاموں میں حصہ لیتے اور ''وقار عمل'' کو قائم کرتے دیکھا۔ ابھی ایسے لوگ بھی ضرور موجود ہوں گے جنھوں نے مساوات وسادگی کا یہ نظارہ بھی کئی دفعہ دیکھا کہ اگر کسی مجبوری اور جگہ کی کمی کی وجہ سے حضرت کے لئے باقی حاضرین سے الگ اور بلند مسند بنائی گئی تو حضور نے منتظمین کو فہمائش کرتے ہوئے اس مخصوص جگہ کو چھوڑ کر عام احمدیوں کے درمیان تشریف فرما ہو کر تقریب میں شرکت کی۔ حضور کے ہاں ہونے والی دعوتوں یا حضور کے اعزاز میں ہونے والی پارٹیوں میں حضور کا یہ طریق مبارک تھا کہ جب تک سب ساتھیوں کو ایک جیسا کھانا نہ ملتا کھانا شروع نہ فرماتے۔ سفر کے وقت بھی اس امر کا اہتمام فرماتے کہ سب اصحاب قافلہ بسہولت سوار ہو جائیں تو حضور روانہ ہوں۔ اگر راستہ میں کوئی گاڑی پیچھے رہ جاتی تو آپ پورے قافلہ کو روک لیتے اور اس وقت تک آگے نہ جاتے جب تک پیچھے آنے والی گاڑی یا خدام ساتھ شامل نہ ہو جاتے بعض ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ حضور کو دوران سفر یہ علم نہ ہو سکا کہ کوئی ساتھی پیچھے رہ گیا ہے لیکن منزل پر پہنچ کر جب یہ پتہ چلا کہ قافلہ میں سے کوئی پیچھے رہ گیا ہے تو حضور اس وقت تک اندرون خانہ تشریف نہیں لے گئے جب تک پیچھے رہ جانے والے نہ آ جاتے بلکہ بعض دفعہ تو ایسے بھی ہوا کہ حضور نے سارے قافلہ کو واپسی کا حکم دیا اور پیچھے رہ جانے والے ساتھی کو ہمراہ لے کر واپس تشریف لائے۔

اسم بامسمی محمود نے ایک موقع پر اپنے نقادوں اور مخالفوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''اگر اسلام میں خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں اسی وقت جماعت کے ایک سو نوجوانوں کو اپنے سامنے یہاں بلاتا اور انہیں اپنے آپ کو قتل کرنے کے لئے کہتا تو آپ دیکھتے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی تعمیل حکم میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کرتا۔''

بات کو سمجھانے کے لئے یہ حضور کا ایک بہت پیارا انداز تھا اور اس میں ہرگز کوئی مبالغہ نہ تھا کیونکہ جماعت کے نوجوانوں نے عملی طور پر ایسا بلکہ اس سے بھی زیادہ قربانی کا اس وقت مظاہرہ کیا جب انہیں وقف کے لئے بلایا گیا۔ وقف کی تحریک پر بیوہ ماؤں نے اپنے اکلوتے بیٹے پیش کرنے میں کسی پس وپیش سے کام نہ لیا۔ ہزاروں نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کر کے عملاً دنیا کی آسائشوں سے منہ موڑ کر اپنے جذبات کی مسلسل قربانی پیش کرنے کو اپنی زندگیوں کا شعار بنا لیا اور یہ قربانی یقیناً اس قربانی سے کسی طرح کم نہیں کہ کوئی شخص کسی وقتی جذباتی جوش میں اپنی جان قربان کر دے۔

مذہبی آمر کا الزام لگانے والے اپنے اس الزام سے جماعت کی روح قربانی سے

عدم واقفیت کا اقرار کرنے کے علاوہ مذکورہ قرآنی دلیل کی عملاً تردید کرتے ہیں۔
حضورؓ فرماتے ہیں:

''میں ہمیشہ آپ سے اپنی بیویوں اور بچوں سے زیادہ محبت کرتا رہا ہوں اور اسلام اور احمدیت کی خاطر اپنے ہر قریبی اور ہر عزیز کو قربان کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہا ہوں۔ میں آپ سے اور آپ کی آنے والی نسلوں سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں کہ آپ بھی ہمیشہ اسی طرح عمل کریں گے۔''

(مصلح موعودؓ)

محمد عبداللہ صاحب قلعہ صوبہ سنگھ خلافت ثانیہ کے بالکل ابتدائی ایام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ جو جماعت کے ایک ایک فرد سے حضور کی محبت کی ایک حسین مثال ہے۔

''مارچ 1914 میں خاکسار پٹیالہ میں تھا حضرت خلیفہ اولؓ کے انتقال کی خبر پہنچی تو جماعت کا ایک غیر معمولی اجلاس بلایا گیا جس میں طے پایا کہ پٹیالہ کی جماعت کی طرف سے دو آدمی منتخب کر کے دارالامان بھیجے جائیں اور وہ سب جماعت کی طرف سے جو خلیفہ بھی ہو اس کی بیعت کر آئیں۔ چنانچہ خاکسار اور حضرت مولوی محمود الحسن صاحب جو نہایت بوڑھے تھے اور کسی سکول میں مدرس تھے قادیان جانے کے لئے تیار کئے گئے۔ بعد دوپہر ہم دونوں پٹیالہ سے روانہ ہو کر غالباً عصر کے قریب یا شام کے وقت راجپورہ پہنچے۔ وہاں سے ہم میل ٹرین پر سوار ہوئے، تھرڈ کلاس کا ایک ہی ڈبہ تھا اور سواریوں سے اس قدر لبریز تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ مولوی صاحب مرحوم کو میں نے ایک کونے میں جوں توں کر کے بٹھا دیا اور خود کھڑا رہا، تمام رات میں نے کھڑے ہی گزاری جب جالندھر گاڑی پہنچی تو ایک شخص جو برتھ کے اوپر بستر کر کے سو رہا تھا اس نے مجھے کہا کہ میرے بستر پر آرام کریں اور میں نیچے آجاتا ہوں میں غنیمت سمجھ کر اس بستر میں جالیٹا اور جب گاڑی جنڈیالہ پہنچی تو میں نیچے اتر آیا اور وہ شخص اپنے بستر پر چلا گیا۔ بستر پر جانے کے بعد اس نے مجھے کہا کہ میری جیب میں بٹوہ نہیں ہے جس میں پانچ کا نوٹ تھا اور لدھیانہ میں میں نے اسے جیب میں رکھا تھا چونکہ ہم نے امرتسر گاڑی چھوڑ دینی تھی اس لئے میں نے اسے کہا کہ اگر تو آپ کو مجھ پر شبہ ہے تو میں اس وقت آپ کے پاس حاضر ہوں آپ بڑی خوشی سے میری تلاشی لے سکتے ہیں مگر اس نے امرتسر پہنچ کر مجھے پولیس کے حوالے کر دیا اور خود اپنا سفر جاری رکھا میری یہ حالت دیکھ کر مولوی محمود الحسن صاحب بہت گھبرائے اور وہ قادیان روانہ ہو گئے۔ عصر کے قریب وہ قادیان پہنچے اور جاتے ہی حضور کی خدمت میں مفصل حالات عرض کئے۔ حضور نے اسی وقت شیخ نور احمد صاحب مرحوم کو جو حضور کے مختار عام تھے بلا کر تاکید کی کہ فوراً یکہ کرا کر بٹالہ پہنچیں اگر ٹرین نہ ملے، تو بٹالہ سے بذریعہ ٹانگہ فوراً امرتسر پہنچیں، اور مجھے رہا کرانے کی کوشش کریں۔ اگر کامیابی نہ ہو، تو سیّد عبدالحمید صاحب جو ریلوے پولیس ڈی۔ایس۔پی تھے اور لاہور میں ان کا قیام تھا ان کے پاس پہنچ کر میری رہائی کے بارے میں کوشش کریں۔ شیخ صاحب مذکور نے رات کے وقت امرتسر پہنچنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر شیخ صاحب لاہور پہنچے اور سید عبدالحمید صاحب ڈی۔ایس۔پی کو ساتھ لے کر امرتسر آئے۔ سیّد صاحب نے پولیس انچارج کو حکم دیا کہ وہ راولپنڈی سے معلوم کریں کہ اس نام کا کوئی آدمی امرتسر گیا ہے اور یہ کہ وہ کہاں پہنچا ہے۔ وہاں سے معلوم ہوا کہ اس نے گولڑہ کے لئے گاڑی تبدیل کر لی ہے۔ گولڑہ ریلوے پولیس کو تار دی گئی کہ مذکورہ شخص جب گاڑی پہنچنے پر ملے تو اس کو حکم دیا جائے کہ واپس امرتسر پہنچ کر جس کیس کو حوالہ پولیس کر آیا ہے اس کی پیروی کرے مگر اس نے واپس آکر پیروی کرنے سے انکار کر دیا اور گولڑہ جنکشن کی ریلوے پولیس کا جواب آنے پر پولیس امرتسر نے مجھے رہا کر دیا۔ الحمدللہ۔ خاکسار اور شیخ صاحب مرحوم عصر کے وقت قادیان پہنچے اور حضور نے خاکسار کے سلامت پہنچنے پر شکر گزاری کا سجدہ نماز عصر کے بعد ادا کیا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ حضور کو ابتداء سے ہی جماعت کا کس قدر خیال اور ہمدردی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں حضور مغفور کی روح پر نازل ہوں۔ آمین۔

ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ میں چھاؤنی نوشہرہ سے کچھ دنوں کی رخصت لے کر قادیان آیا تھا۔ میری بیوی کے گلے میں خنازیری گلٹیاں تھیں جن کا آپریشن کروا کر خارج بھی کروا دی گئیں تھیں مگر پھر نمودار ہو گئیں۔ حضرت اُمِ طاہر محترمہ مریم کے ساتھ ہمارے پرانے تعلقات تھے میری بیوی جب ان سے ملیں تو انہوں نے کہا کہ حضرت صاحب اس مرض کا علاج کرتے ہیں اور حضور کوئی مرہم استعمال کرنے کے لئے دیں گے۔ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے تو اس مرض کا کبھی کوئی مرہم تیار نہیں کیا اور نہ ہی علاج کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور کی معمولی توجہ سے شفا ہو جائے گی۔ حضور کے پاس ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے یاد دلانا ان کے واسطے دوائی تیار کر کے بذریعہ پارسل نوشہرہ بھیج دی جائے گی۔ چنانچہ جب ہم واپس نوشہرہ چھاؤنی

پہنچے تو کچھ دنوں کے بعد ایک پارسل حضور کی جانب سے موصول ہوا جس میں ایک بنڈ ڈبیا میں سفید رنگ کا پاؤڈر تھا۔حسب ہدایت وہ کچھ دن استعمال کیا گیا جس کے استعمال سے گلٹیاں غائب ہوگئیں اور اب تک اس کا نام ونشان نہیں اور کبھی نہیں ابھریں۔الحمدللہ۔یہ تھا حضور عالی کا اپنے ناچیز خادموں کے ساتھ مربیانہ سلوک۔''

قادیان کے احمدیوں کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لئے حضور کے ارشاد پر ایک عام دعوت ہوئی اخبار الفضل اس مبارک تقریب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''عیدالفطر سے ایک روز قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ عید کے دن کوئی ایسی تقریب ہونی چاہئے جس کے ماتحت تمام مقامی احمدی مشترک کھانا کھائیں اور لنگر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جاری فرمودہ متبرک سلسلہ ہے وہاں سے غرباء اور مساکین کو کھانا دیا جائے اس کے علاوہ جو دوست اپنا خرچ دے کر اس دعوت میں شریک ہونا چاہیں انہیں بھی شامل کرلیا جائے۔
اس فہرست میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے بعد میں جملہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی شامل کرنے کا اعلان فرمایا۔۔۔قریباً ساڑھے چار ہزار احمدیوں کو عید کے دن شام کے وقت پلاؤ، آلو گوشت اور روٹی پر مشتمل کھانا کھلایا گیا۔جس میں قلیل حصہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے خرچ دیا تھا اور کثیر حصہ غرباء کا تھا۔۔۔اس انتظام کی وجہ سے یہ عید قادیان میں اپنی قسم کی پہلی عید تھی۔آئندہ کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا خیال ہے کہ عیدالفطر کے موقع پر اس قسم کی دعوت کا انتظام کیا جایا کرے اور بروقت انتظامات شروع کر کے یہ کوشش کی جائے کہ جملہ مقامی احمدی اور مہمان اس میں شامل ہوں۔''

(الفضل 21/جنوری 1934 صفحہ 1)

جماعت کے اخلاص ومحبت اور احباب جماعت کی دلجوئی و دلداری کا ایک بہت پیارا واقعہ بیان کرتے ہوئے اخبار الفضل (22/جنوری 1929) رقمطراز ہے:

''۔۔۔حضور مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں تشریف لائے جہاں جماعت احمدیہ لاہور کے احباب کثیر تعداد اور بعض بیرونی احباب بھی حضور سے شرف نیاز حاصل کرنے کے لئے جمع تھے۔حضور نے سب کو مصافحہ کرنے کا موقعہ عطا فرمایا اور پھر فرش مسجد پر بیٹھ گئے۔چونکہ مجمع زیادہ تھا اور سب احباب حضور کی زیارت نہ کرسکتے تھے اس لئے یہ خواہش کی گئی کہ حضور کرسی پر رونق افروز ہوں لیکن جب کرسی لائی گئی اور حضور سے اس پر بیٹھنے کے لئے عرض کیا گیا تو حضور نے فرمایا میں یہ تو پسند نہیں کرتا کہ سب احباب فرش پر بیٹھے ہوں اور میں کرسی پر بیٹھوں لیکن چونکہ احباب کی خواہش ہے کہ مجھے دیکھ سکیں اس لئے میں کھڑا ہوجاتا ہوں اور باوجود اس کے کہ بیماری کی وجہ سے میری صحت کمزور ہے اور میرے لئے تقریر کرنا مشکل ہے مگر احباب کو کچھ سنا بھی دیتا ہوں۔چنانچہ حضور نے کھڑے ہوکر آیت

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ

کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی۔''

(الفضل 22/جنوری 1929 صفحہ 1)

ایسا ہی ایک اور ایمان افروز واقعہ پیش خدمت ہے:

''27/جنوری 1928 کو چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔اے کے ہاں دعوت ولیمہ تھی جس میں اکثر معززین جماعت اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ مدعو تھے۔جس کمرہ میں نشست کا انتظام تھا وہاں دو لکڑی کے تخت بچھے تھے جن پر حضرت اقدس کے لئے نشست گاہ بنائی گئی اور چونکہ وہ کافی لمبے چوڑے تھے اس لئے حضور کے ساتھ اور بھی کئی اصحاب بیٹھ سکتے تھے۔باقی کمرہ میں دیگر اصحاب کے بیٹھنے کے لئے فرش کیا گیا۔لیکن جب حضور کمرہ میں تشریف لائے اور اس جگہ رونق افروز ہونے کی درخواست کی گئی تو حضور نے یہ دیکھ کر کہ وہ جگہ کمرہ کے دوسرے فرش سے کسی قدر اونچی ہے وہاں بیٹھنا پسند نہ کیا اور فرمایا اور دوست نیچے بیٹھیں تو میں اوپر کس طرح بیٹھ سکتا ہوں اور نچلے فرش پر بیٹھ گئے۔''

(الفضل 31/جنوری 1928 صفحہ 2)

محترم مرزا رفیق احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مہر آپا نے فرمایا:

''ایک گرم اور حبس والی رات، گیارہ بجے دروازہ کھٹکا، ان دنوں بجلی ابھی ربوہ نہیں آئی تھی۔حضور لالٹین کی روشنی میں صحن میں لیٹے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔حضور نے مجھے کہا کہ دیکھو کون ہے؟ میں نے دریافت کیا اور آکر حضور سے کہا:

''ایک عورت ہے وہ کہتی ہے کہ میرے خاوند کو حضور نے دوائی دی تھی اس سے بہت افاقہ ہوگیا تھا، مگر طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے اور دوائی لینے آئی ہوں۔''

آپ نے فرمایا:

''کمرہ میں جاؤ فلاں الماری کے فلاں خانے سے دوائی نکال لاؤ''

گرمی مجھے بہت محسوس ہوتی ہے اور یہ موسم میرے لئے ہمیشہ ناقابل برداشت رہا ہے، اپنی اس کمزوری کی بناء پر کہہ بیٹھی: ''یہ کوئی وقت ہے، میں اسے کہتی ہوں کہ صبح آجائے اندر جا کر تو جس سے میرا سانس نکل جائے گا۔''

اس پر حضورؓ نے بڑے جلال سے فرمایا:

''تم اس اعزاز کو جو خدا نے مجھے دیا ہے چھیننا چاہتی ہو! ایک غرض مند میرے پاس اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے آتا ہے، یہ خدا کی دی ہوئی عزت ہے کہ مجھے خدمت کا موقعہ ملتا ہے، اسے میں ضائع کردوں تو قیامت کے دن خدا کو کیا شکل دکھاؤں گا، میں خود جاتا ہوں۔'' میں نے کہا: ''آپ نہ جائیں، گرمی بہت ہے، میں چلی جاتی ہوں'' حضور نہ مانے اور خود اندر گئے اور دوائی لا کر اسے دی اور ساتھ ہی اسے ہدایت کی کہ صبح آکر اپنے خاوند کی خیریت کی خبر دے۔''

(ملت کا فدائی صفحہ 149-150)

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ فرماتے ہیں:

''بڑے بڑے حضور کے عاشق ہیں جو دن رات دعائیں ہی کرتے رہتے ہیں۔ اس غیر معمولی محبت اور عشق کی آخر کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ خود حضرت اقدس بھی جماعت کے لئے نہایت دردِ دل سے دعائیں کرتے ہیں۔۔۔ انہی دعاؤں کا عکس جماعت کے احباب کے دلوں پر پڑتا ہے اور وہ بھی حضورؓ کیلئے دعا کرتے ہیں۔''

(الفضل 19/جون 1943)

موعود بیٹا

بنی اسرائیل کی کتاب طالمود میں لکھا ہے:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (مسیح موعود) وفات پا جائے گا اور اس کی سلطنت اسکے بیٹے اور پوتے کو ملے گی۔ اس رائے کے ثبوت میں یسعیاہ باب 42 آیت 4 کو پیش کیا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔''

(طالمود مرتبہ جوزف برکلے باب پنجم مطبوعہ لندن 1878)

نام بھی محمود تیرا کام بھی محمود ہے

روشن دین تنویر

نام بھی محمود تیرا کام بھی محمود ہے
اس سے ثابت ہے کہ تو ہی مصلح موعود ہے

اور مسیحی نفس بھی اور روح الحق بھی تو
اور اولوالعزمی بھی تیری ذات میں موجود ہے

تو ہے قدرت اور رحمت اور قربت کا نشاں
تیری آمد سے نمایاں عظمتِ معبود ہے

مجتمع ہیں ذات میں تیری دوگونہ نعمتیں
مصلح موعود ابنِ مہدئ مسعود ہے

حسن اور احسان میں ہے تو مسیحا کا نظیر
تیرا شاہد خود مسیحا اور تو مشہود ہے

اس میں جو تنویرؔ جلتے ہیں فغاں کرتے نہیں
عشق بھی آتش ہے لیکن آتشِ بے دُود ہے

حضرت مصلح موعودؓ کی عورتوں کو چند نصائح

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلسہ سالانہ 1934 میں خواتین کے جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

سید احمد صاحب بریلویؒ جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پہلے مجدّد تھے جب وہ حج کے لئے گئے تو ان کے قافلہ میں سو کے قریب ایسی عورتیں بھی تھیں جو کبھی گھر سے باہر بے پردہ نہ نکلی تھیں جب وہ باہر جاتیں تو ان کے کمرے میں ڈولی لے جائی جاتی اور وہ وہیں سے سوار ہو کر باہر نکلتیں۔ اور اگر کبھی انہیں ایک گلی سے دوسری گلی میں جانا ہوتا تو پہلے بہت سے پردے کئے جاتے تب وہ اس جگہ سے گزرتیں۔ یہ سو عورتیں جب حج کے لئے مکہ پہنچیں اور خانہ کعبہ میں طواف کا وقت آیا تو سید احمد صاحبؒ نے کہا بہنو! جس خدا کا حکم تھا کہ تم پردہ کیا کرو اسی خدا کا اب یہ حکم ہے کہ تم یہاں طواف کے وقت پردہ نہ کرو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تمام کی تمام عورتوں نے اسی وقت نقاب چہرہ پر سے الٹ دیئے اور کوئی ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ یہ ایمان تیرھویں صدی کی عورتوں میں تھا جن کے پاس نور کا ایسا سر چشمہ نہ تھا جیسا تمہارے پاس ہے اور انہوں نے اس قدر نشانات اور معجزات نہیں دیکھے تھے جتنے تم نے دیکھے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم سستی کو ترک نہیں کر سکتیں۔ اگر تم تبلیغ نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔ مرد تو عورتوں کو ان کے پردہ کی وجہ سے تبلیغ نہیں کر سکتے۔ اگر تم بھی ان کو تبلیغ نہ کرو تو عورتوں میں احمدیت کس طرح پھیلے گی۔ جو عورتیں بے پردہ ہو چکی ہیں ان کو دین سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ وہ تو بے دین ہو چکی ہیں۔ اور نہ ہی دینی باتیں سننے کے لئے تیار ہیں۔ دین کی باتیں پردہ دار عورتیں ہی زیادہ کر سکیں گی۔ اور ان تک تم ہی پہنچ سکتی ہو۔

پس تم پر بھی تبلیغ اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے۔ اگر تم دینی کاموں میں مردوں کے ساتھ ساتھ نہیں چلو گی تو تم جماعت کا مفید جزو نہیں بلکہ پھوڑے کی طرح ہو گی جو انسان کو اس کے فرائض سرانجام دینے سے روک دیتا ہے۔ پھوڑا نکلنے کی وجہ سے بے شک کچھ گوشت بڑھ جاتا ہے لیکن وہ جسم کی طاقت بڑھانے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ بیماری کی علامت ہوتی ہے۔ اور کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ پھوڑا اس کے جسم کا جزو بنا رہے۔ اسی طرح ہم بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ہماری عورتیں گندے عضو کی طرح ہمارے باقی جسم کو بھی خراب کریں، اگر وہ ایسی رہیں گی تو یقیناً اس قابل ہوں گی کہ انہیں جسم سے علیحدہ کر دیا جائے۔

پس تم اپنی سستیوں اور غفلتوں کو ترک کرو اور اپنے آپ کو احمدیت کے لئے ایک مفید جزو بناؤ اور تم کو یہ عزم کر لینا چاہیئے کہ یا تو ہم احمدیت قائم کر دیں گی یا مر جائیں گی۔

جب تک تم یہ عزم نہیں کرتیں اس وقت تک تم احمدیت کے لئے مفید وجود ثابت نہیں ہو سکتیں۔ تم پر جو ذمہ داریاں ہیں ان کو پورا کرنے کی کوشش کرو تا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک کامیاب خادم کی حیثیت میں کھڑی ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ تم اپنے اندر ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرو جس کو تم بھی اور تمہارے ہمسائے بھی اور باقی دنیا بھی محسوس کرے کہ اب تم میں ایک نئی روح پھونکی گئی ہے۔ تم خود بھی دین سیکھو اور اپنی اولادوں کو بھی دین سکھاؤ۔ اگر تم خود دین نہیں سیکھو گی تو دوسری عورتوں کو تبلیغ کس طرح کرو گی۔ **تمہیں تبلیغ کا اس قدر شوق ہونا چاہیئے۔ اگر تمہیں ایک مکان میں رہتے رہتے ایک دو سال گزر جائیں اور تمہاری تبلیغ وہاں مؤثر ثابت نہ ہو تو تمہیں چاہیئے کہ اپنے بھائی یا اپنے خاوند سے کہو کہ اب کسی اور محلّہ میں مکان لو تا کہ ہم کسی دوسری جگہ چل کر احمدیت پھیلائیں۔**

(الازھار لذوات الخمار صفحہ 432)

حضرت فضلِ عمرؓ کا علمی ذوق

اللہ تعالیٰ نے حضرت فضلِ عمر کو غیر معمولی قابلیتوں اور ظاہری علوم سے نوازا تھا۔آپ کی معلومات کی وسعت کا صحیح اندازہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔قرآن مجید سے آپ کا غیر معمولی قلبی تعلق تو آپ کی تقریر وتحریر سے عیاں ہے، کلام اللہ کے مقام ومرتبہ کا اظہار و بیان آپ کی ہزاروں صفحات پر مشتمل تصانیف (جو اپنوں اور غیروں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں) نہایت حسن وخوبی سے کرتی ہیں،آپ کی بے شمار تقاریر اور خطبات کے عنوانات بے مثال حیرت انگیز تنوع رکھتے ہیں۔ اکثر تقاریر میں مذہبی علوم اور فلسفہ الٰہیات بیان ہوا ہے، بعض تقاریر مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر بصیرت افروز روشنی ڈالتے ہیں، بعض تقاریر میں مختلف اقتصادی نظاموں کا موازنہ کر کے قرآنی نظامِ اقتصاد کی فضیلت و برتری ثابت کی گئی ہے۔ بعض کتب و تقاریر میں سیاست و مدنیت کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل کر کے قرآنی ہدایت کی عظمت ظاہر کی گئی ہے غرضیکہ ہر ضروری علم اور مضمون پر آپ کی ٹھوس معلومات پر مشتمل کتب وتقاریر آپ کے مخصوص ومنفرد نہایت سلیس وسادہ مگر مؤثر ودلنشین انداز پر روشنی ڈالتی ہیں۔

اس قدر متنوع عنوانوں کے مختلف ممکنہ پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے مفید علمی مواد اور دلچسپ اندازِ بیان آپ کی خداداد قابلیت اور وسعتِ مطالعہ کا بیّن ثبوت ہے۔

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے بیان کے مطابق:

''حضرت فضل عمر نے صدر انجمن احمدیہ کا موجودہ نہایت کامیاب نظام جاری فرمانے سے قبل انسانی جسم کی بناوٹ کے متعلق ضخیم طبی کتب کا مطالعہ فرمایا تا کہ دل و دماغ اور جوارح کا باہم تعلق معلوم کر کے اس نظام سے استفادہ کرتے ہوئے جامع اور نقائص سے پاک انتظام جاری کیا جا سکے۔آپ اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے جبکہ آپ کو بہت ہی محدود جیب خرچ ملتا تھا اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لئے کتب کی خرید پر کچھ نہ کچھ رقم ضرور خرچ کرتے تھے اور اس طرح آپ نے منتخب کتب کی ایک اچھی لائبریری بنائی ہوئی تھی۔آپ کے ذاتی کتب خانہ کی ہزاروں کتب جماعت کی مرکزی لائبریری کی افادیت میں اضافہ کا باعث بنی ہوئی ہیں جن میں سے سینکڑوں کتب پر آپ کے دستِ مبارکہ کے نشانات دیکھے جاسکتے ہیں جو اس بات کے غماز ہیں کہ ان تمام کتابوں کا حضور مطالعہ فرما چکے تھے۔

آپ کی لائبریری میں صرف مذہبی علوم کی کتب ہی نہیں تھیں بلکہ تمام علوم کی بنیادی کتابیں موجود ہیں یہاں تک کہ مرغ بانی کے متعلق تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب بھی موجود ہے جس کا ذکر حضور کی بعض تقاریر میں بھی آتا ہے۔خوشبو اور عطر سے آپ کو خاص لگاؤ اور اُنس تھا اس موضوع پر بھی آپ نے بہت سی کتب کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔تاریخ آپ کا خاص مضمون تھا اور بعض تاریخی واقعات پر آپ کے مفصل خطاب ظاہر کرتے ہیں کہ آپ ہر کتاب کو غور سے پڑھ کر صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت سے مالا مال تھے اسی طرح بعض چھوٹی چھوٹی اور بظاہر معمولی باتوں سے اپنے خداداد علم وفراست کی وجہ سے بڑے بڑے مفید نتائج اخذ کر کے ان سے خود بھی فائدہ اٹھاتے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے تھے۔حضور کے خطبات وتقاریر اور کتب وتصانیف کے علاوہ مجالس عرفان بھی حضور کی اس خداداد قابلیت کی شاہد ہیں۔ان مجالس میں سے صرف دو جواب بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

ایک دوست نے عرض کیا کہ حضور کو تصوف کی کونسی کتاب پسند ہے؟

حضور نے فرمایا ''مجھے تو قرآن پسند ہے۔اگر اس سے آپ کی تسلی نہیں ہوتی تو میں کسی اور کتاب کا نام بھی بتا دیتا ہوں۔بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ تصوف کی اور کتابوں کی طرف تو چلے جاتے ہیں لیکن قرآن کی طرف نہیں آتے۔آپ اگر تصوف کی ہی کوئی کتاب پڑھنی چاہیں تو سید عبد القادر جیلانی کی کتاب فتوح الغیب بڑی صاف کتاب ہے اور ہر قسم کی لغویات اور اصطلاحات سے پاک ہے۔۔۔لیکن فتوح الغیب ایسی کتاب ہے جس میں سید عبد القادر جیلانی نے کوئی ایسی اصطلاحیں استعمال نہیں کیں جو آجکل بگڑی ہوئی ہوں۔اس میں ہدایت ہی ہدایت اور نور ہی نور ہے۔مجھے تو اس کتاب کا کوئی فقرہ ایسا نظر نہیں آیا جو زائد اور بلا ضرورت ہو یا جس میں نور اور ہدایت نہ ہو اس سے اُتر کر مثنوی رومی بڑی اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔''

(الفضل 26/جولائی 1940 صفحہ 2)

یہ سوال ایک عام مجلس میں پوچھا گیا تھا اور اس کا جواب فی البدیہہ بغیر کسی تیاری کے دیا گیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے تصوف کی بہت سی کتب پڑھی ہوئی تھیں اور آپ ان کا باہم موازنہ کر کے اپنی سوچی سمجھی رائے پیش کر سکتے تھے۔

ایک اور مجلس میں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے مسند احمد بن حنبل کے متعلق ایک سوال پوچھا تو اس کے جواب میں حضور نے اسی مجلس میں مکمل اور تحقیقی جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''حضرت خلیفہ اولؓ نے ایک دفعہ مسند احمد بن حنبل کے متعلق فرمایا کہ یہ حدیث کی ایک نہایت معتبر کتاب ہے مگر اس میں بعض ایسی روایات بھی شامل ہوگئی ہیں جو کمزور ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا ایک لڑکا تھا جو عبداللہ تھا اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس کی روایات درست ہیں مگر کچھ اور روایات کا ذکر کیا کہ وہ ایسی محفوظ نہیں ہیں اور آپ نے فرمایا میرا دل چاہتا تھا اصل کتاب کو علیحدہ کر لیا جاتا مگر یہ کام میرے وقت میں نہیں ہو سکا اس کے بعد میرا نام لے کر فرمایا۔ میاں یہ کام شاید آپ کے وقت میں ہو جائے۔ مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بھی اس وقت موجود تھے۔ مجھے آپ کی اس بات سے معلوم ہوتا تھا کہ اس میں دو قسم کی روایتیں ہیں مگر جب میں نے خود کتاب پڑھی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں دو قسم کی نہیں چھ قسم کی روایات ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا کہ عبداللہ کی روایتیں تو ٹھیک ہیں مگر آپ کے شاگرد کی روایتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں چھ قسم کی روایتیں ہیں اس لئے حضرت خلیفہ اولؓ کے بیان کی تعیین نہیں رہتی البتہ شارحین نے خود بحث کر کے روایات کے ایک حصہ کو ضعیف قرار دیا ہوا ہے۔ چنانچہ وہ چھ قسم کی روایات جو مسند احمد بن حنبل میں ہیں یہ ہیں۔

1۔وہ روایات جو عبداللہ نے اپنے والد امام احمد سے روایت کی ہیں۔

2۔وہ روایات جو عبداللہ نے اپنے والد اور بعض دوسرے محدثین سے سنی ہیں۔

3۔وہ روایات جو عبداللہ نے امام احمد سے سنی ہی نہیں دوسروں سے سنی ہیں اور کتاب میں شامل کر دی ہیں یہ زوائد عبداللہ کہلاتی ہیں۔

4۔وہ روایات جو عبداللہ نے امام احمد سے نہیں سنیں لیکن خود ان کے سامنے پڑھی ہیں۔

5۔وہ روایات جو نہ انہوں نے امام احمد سے سنیں اور نہ ان کے سامنے پڑھیں لیکن امام احمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آپ کی کتاب میں دیکھیں اور ان کو کتاب میں شامل کر دیا۔

6۔وہ روایات جو عبداللہ نے نہیں لکھیں بلکہ حافظ ابوبکر القطیعی نے جو امام احمد اور عبداللہ بن امام احمد کے شاگرد تھے کتاب میں زائد کر دیں اور وہ نہ عبداللہ نے امام احمد سے بیان کی ہیں اور نہ امام احمد سے براہ راست حافظ ابوبکر نے سنی ہیں اور یہ روایات سب سے کم ہیں۔ میں سمجھتا ہوں حضرت خلیفہ اول کا منشاء یہی تھا کہ تیسری اور چھٹی قسم کی روایات کو مسند سے الگ کر دیا جائے یعنی وہ روایات جو عبداللہ نے امام احمد سے نہیں سنیں اور وہ روایات جو حافظ ابوبکر نے عبداللہ کے توسط سے یا براہ راست امام احمد سے نہیں سنیں کیونکہ یہ روایات مسند احمد بن حنبل کا حصہ کہلا ہی نہیں سکتیں۔

(الفضل 20/اپریل 1944 صفحہ 1)

یاد رہے کہ مسند احمد بن حنبل حدیث کی ضخیم ترین کتاب ہے۔ حضور کا اس کے متعلق یہ تبصرہ بتاتا ہے کہ آپ علم حدیث اور علم اصول حدیث کا وسیع مطالعہ کر چکے تھے۔

یہ امر بھی خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ حضور کی ذمہ داریاں اتنی زیادہ تھیں کہ آپ دن رات کا اکثر حصہ ان کی وجہ سے مصروف رہتے تھے اس کے باوجود آپ اتنا زیادہ علمی کام اور مطالعہ کس وقت کرتے تھے؟

جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ سے ایک گریجوایٹ نے یہودی اور عیسائی مذاہب کے مطالعہ کے لئے عملی ہدایات طلب کیں۔ اس کے جواب میں حضور نے مندرجہ ذیل خط لکھوایا جو حضور کی وسعتِ معلومات اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کی ایک عمدہ مثال ہے۔

حضورؓ فرماتے ہیں:

''کسی مذہب کا صحیح مطالعہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس مذہب کے محققین کی کتابیں پڑھی جائیں اور سب سے بڑی چیز جس سے کسی مذہب کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے وہ اس کی وہ کتاب ہے جس کو وہ الہامی قرار دیتا ہے پس سب سے پہلے تو آپ کو بائیبل کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

پُرانا عہد نامہ آپ کو یہ بتائے گا کہ یہودی مذہب کی بنیاد کس طرح پڑی اور کس طرح اس نے نشوونما پائی اور اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہودی مذہب نے اپنے ماننے والوں کے اخلاق اور ان کی رسوم اور ان کے تمدن پر کیا اثر کیا اور کون سے نئے مقاصد ان کے سامنے رکھے ہیں۔ نیا عہد نامہ پڑھنے سے آپ کو عیسائیت کی بنیاد اور اس کی غرض معلوم ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ وہ مقصد عظیم جو کہ یہودیت کے نتیجہ میں یہودیوں کے زیر نظر ہو گیا تھا اس نے آخر کار کیا معیّن صورت اختیار کی اور تمدن اور اخلاق کو اس زمانہ کی حالت اور ضروریات کے ماتحت کس رنگ میں بدل دیا اور انسانی کمالات کے لئے ایک نیا رستہ کھول دیا لیکن وہ اس رستہ میں ان کو چلا نہیں سکی۔ بلکہ ایک مقصد کے طور پر اس کو ان کے سامنے رکھ

دیا۔ بائبل کا مطالعہ کرتے وقت آپ ان چند امور کو مدنظر رکھیں جن کی صداقت بائبل کے مطالعہ کے ساتھ ہی آپ پر ظاہر ہوتی چلی جائے گی۔

1۔ بائبل کسی توہمات میں پڑے ہوئے اور نفس کی فکر میں مبتلا فلاسفر کے خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ ایک ایسی قابلیت پیدا کرنے والی روح اپنے اندر رکھتی ہے جو کہ انسان کو اوپر کی طرف کھینچتی ہے۔

2۔ بائبل زمانہ کی نامساعدت کی وجہ سے اور مختلف حالات کے ماتحت جو وقتاً فوقتاً اس قوم اور اس قوم کے گردو پیش پیدا ہوتے رہے ہیں جن کے سپرد بائبل کی حفاظت اور اشاعت تھی ایسے خیالات سے ملوث ہوگئی جو کہ اس روح کے جو انسان کو بلند کرنے والی ہے بالکل مخالف ہے۔

3۔ آپ بائبل کو پڑھتے وقت اس بات کو مدنظر رکھیں کہ بائبل خود اپنے متعلق کیا کہتی ہے۔ اگر ان تین باتوں کو مدنظر رکھ کر آپ بائبل پڑھیں گے تو بائبل میں یہودی اور عیسائی مذہب کے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ مل جائے گا کہ جو پُرانی تحقیقات سے بہت زیادہ ہوگا۔ میں نے بائبل کو اسی رنگ میں مطالعہ کر کے دیکھا ہے اور اس سے ایسی معلومات حاصل کی ہیں جو خود عیسائیوں کے عالموں کو بھی حاصل نہیں۔
بائبل کے بعد طالمود ہیں جن میں مختلف زمانوں میں یہودی علماء نے بائبل کی جو تفسیر کی ہے اس کو درج کیا گیا ہے۔ ایک طالمود مشرقی علماء نے لکھی ہے اور ایک مغربی علماء نے۔ یہ دونوں طالمودیں یہودی مذہب کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت ہی مفید اور کارآمد ہیں۔
تحقیقات جدیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جیوش انسائیکلو پیڈیا ایک نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا بھی مختلف مسائل کو یکجائی طور پر انسان کے سامنے لا کر رکھ دیتی ہے۔ اس لئے وہ کتاب بھی مفید کتاب ہے۔
عیسائی مذہب کی مزید تحقیقات کے لئے آپ کو تاریخ کلیسا کا مطالعہ کرنا چاہیئے دوسرے اپوکرفتہ جو ہیں یعنی ان اناجیل کے سوا دوسری اناجیل جو ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔
انسائیکلو پیڈیا ببلیکا بھی مسیحیت کے متعلق بہت مدد دے سکتی ہے۔ اس میں مسیحیت کے متعلق یکجائی طور پر مسائل مل جائیں گے۔ عیسائیت کی نشوونما میں جو اثر کہ اس سرزمین کے خیالات کو ہوا ہے جن میں کہ عیسائیت نے نشوونما پائی ہے اس کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے اس کے لئے آپ کو قدیم روم اور قدیم یونان کے حالات پڑھنے چاہئیں۔ خصوصیت کے ساتھ ان کے مذہبی رسوم اور خیالات جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ عیسائیت مسیح کے نام کو علیحدہ کر کے ان ہی رسومات کا نام ہے۔ حقیقی عیسائیت کا نہیں۔ حتّٰی کہ اس کی تمام رسومات تہوار وغیرہ جو عیسائیت کے نام پر برتی جاتی ہیں وہ ساری کی ساری ان سے لی گئی ہیں۔ سہل طریق مطالعہ کا یہ ہوگا کہ آپ بائبل کو پہلے پڑھیں جس سوال کو آپ حل طلب سمجھیں اس کو آپ انسائیکلو پیڈیا ببلیکا اور جیوش انسائیکلو پیڈیا میں دیکھ کر مزید معلومات حاصل کر لیں۔
بائبل کے مطالعہ کے بعد ایک ایک کتاب یہودیت اور مسیحیت کے متعلق خواہ ایسی کتب ہوں جیسے کیٹکزم (Catechism۔ سوال و جواب کے ذریعے تعلیم) کی ہوئی ہیں ان کو پڑھیں اور بڑھ کر جو خیالات یا سوالات پیدا ہوں پھر ان کی تحقیقات کریں۔ اس میں بعض تفسیریں جو پادریوں نے لکھی ہیں وہ بھی بہت مدد دیں گی۔
میرے نزدیک جس جس رنگ میں کہ اسلام کی تعلیم کو یکجائی طور پر دیکھا جاسکتا ہے اور اس کا سامان مل سکتا ہے یہ سامان یہودی اور عیسائی مذہب میں نہیں ملتا۔ ان کے سمجھنے کے لئے ایک بہت بڑے لمبے عرصے کی تحقیقات کی ضرورت ہے۔ آپ کو شاید تعجب ہوگا کہ خود عیسائی پادری جو بڑے بڑے عرصہ تک اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے رہے ہیں میں نے ان کے منہ سے سنا ہے کہ ہم نے ابھی اپنے مذہب کی پوری واقفیت حاصل نہیں کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت نے کسی مقررہ بنیاد پر ترقی نہیں کی بلکہ ایک غلط خیال عیسائیت کے دل میں پیدا ہوا ہے جس نے اس مذہب کو تین متفرق شاخوں میں تبدیل کر دیا ہے کہ اس کی شکل کا پہچاننا بالکل ناممکن ہوگیا ہے۔ اور وہ غلط خیال یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ بہترین خوبی اس مذہب کی جو ہے وہ اس کی اڈاپٹیبلٹی (Adaptability) ہے وہ مسیحیت کی سب سے بڑی خوبی یہی سمجھتے ہیں۔ اس خیال نے ان کو فائدہ بھی پہنچایا ہے کیونکہ دہریہ وغیرہ بھی اپنے آپ کو عیسائیت کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں لیکن اس نے ان کو نقصان بھی پہنچایا ہے یعنی ان کی کوئی معیّن شکل باقی ہی نہیں رہتی۔ ہر شخص یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ عیسائی ہے اس بات کو جائز سمجھتا ہے کہ روح اللہ نے اس کو یہ بات بتائی ہے اور بس وہی مذہب ہے۔ حتّٰی کہ وہ اس بات کے لکھنے سے بھی پرہیز نہیں کرتے کہ ہمارے بانیانِ مذاہب یعنی حواریانِ مسیح علیہ السلام اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے نہیں سمجھے اور انجیل میں انہوں نے غلط طور پر لکھ دیا ہے کہ کم سے کم وہ ان کی ایک ایسی غیر معمولی تمیز اور تشریح کو ناجائز نہیں سمجھتے ہیں جو کسی بھی مقررہ اصل کے ماتحت نہ ہو اور جس کی سند اور جس کی مثال نہ اناجیل میں ملتی ہے نہ بائبل میں ملتی ہو نہ محاورہ

میں ملتی ہو نہ اس زمانہ کے لٹریچر میں ملتی ہو۔ پس ان حالات میں عیسائیت کا سمجھنا بہت بڑا کام ہے اور محنت چاہتا ہے لیکن اگر آپ اس طریق پر محنت کریں گے جو میں نے بتایا ہے تو آپ انشاء اللہ اس کام میں کامیاب ہو جائیں گے۔

سوال آپ کا اس قدر مختصر تھا کہ جس رنگ میں مَیں سمجھا ہوں اس کا جواب دے دیا ہے۔ اگر آپ کا کوئی اور مطلب ہو تو اطلاع دیں۔

والسلام

(الحکم 28/جنوری 1924 صفحہ 3)

خدائی تائید اور باطنی علوم کے متعلق ساری دنیا کے علماء کو چیلنج کرتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں:

''ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے ایمان کے مطابق کہہ سکتا ہو کہ وہ اپنے ذاتی علم کی وجہ سے کام کرتا ہے اور اپنے متعلق تو میں یہاں تک کہتا ہوں کہ جو کام خدا تعالیٰ مجھ سے کراتا ہے اس کے متعلق میں اپنے اندر ذرا بھی طاقت نہیں پاتا۔ میں نے مڈل کا امتحان دیا تو اس میں فیل ہو گیا انٹرنس کا امتحان دیا تو اس میں بھی فیل ہو گیا۔ بسا اوقات گھر کی عورتیں تک کہہ دیتی تھیں کہ یہ کیا امتحان پاس کرے گا۔ ایک بھی سند نہیں دنیا کے علم کی جو پیش کر سکوں مگر میں نے خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت بارہا چیلنج دیا ہے کہ کوئی شخص دنیا میں جو احمدی نہ ہو، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیض یافتہ نہ ہو، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ ماننے والا یا آپ کا درجہ گھٹانے والا ہو وہ آئے اور قرآن کریم کا کوئی رکوع قرعہ کے ذریعہ نکال کر اس کی تفسیر لکھے۔ اگر میں نئے معارف اور حقائق اس سے بڑھ کر بیان نہ کروں تو مجھے جھوٹا سمجھا جائے ورنہ وہ حق کو مان لے۔ مگر دُنیوی علم کی کوئی سند میرے پاس نہیں ہے۔

جب میں پرائمری میں پڑھتا تھا تو مدرّسوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میری شکایت کی کہ یہ کچھ نہیں پڑھتا۔ اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس نے کیا نوکری کرنی ہے۔ حضرت میر صاحب (نانا جان) مرحوم نے خدا تعالیٰ بڑی بڑی رحمتیں ان پر نازل کرے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دفعہ آکر کہا محمود نے تو ابھی تک کچھ سیکھا ہی نہیں، اسے کچھ آتا ہی نہیں، ان کی یہ باتیں میں بھی سن رہا تھا اور کانپ رہا تھا کہ نہ معلوم اب کیا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اولؓ) کو بلاؤ۔ جب وہ آئے تو کہا میر صاحب یوں کہتے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا میں نے امتحان لیا تھا۔ اتنا برا تو نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا ہم خود امتحان لیتے ہیں۔ اس پر آپ نے ایک فقرہ لکھ کر فرمایا یہ لکھو، میں نے وہ لکھ دیا۔ اسے دیکھ کر فرمانے لگے یہ تو خوب لکھ سکتا ہے۔ اس وقت میں ساتویں یا آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا مگر آپ نے میرا یہ امتحان لیا کہ ایک فقرہ نقل کرایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے امتحانوں سے بھی بچایا۔ جن امتحانوں میں خود پڑے ان سب میں فیل ہوئے اور جن امتحانوں کے لئے آپ نہ گئے ان کو خدا تعالیٰ نہ لایا تو اپنی ذات کے متعلق تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ہرگز اس کام کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتا جس کے لئے خدا تعالیٰ نے کھڑا کیا اور میں تو اس کام کے قابل بھی اپنے آپ کو نہیں پاتا جو اپنے طور پر کرتا ہوں۔ ہاں میں یہ ضرور محسوس کرتا ہوں کہ میرے پیچھے ایک اور ہستی ہے اور ایک بالا طاقت ہے جب میرا قدم چلنے سے اور ہاتھ اٹھنے سے رہ جاتے ہیں تو وہ ہستی آپ اٹھاتی ہے اور آسمان کی بلندیوں پر لے جاتی ہے۔ وہی طاقت ہر احمدی کے پیچھے ہے جو اپنی ذات کے متعلق تکبر نہیں کرتا وہ اسے اٹھاتی ہے اور آئندہ بھی اٹھائے گی۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت 1928 صفحہ 8,7)

اسی مضمون پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے آپ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

''میں نے کبھی کوئی امتحان پاس نہیں کیا لیکن سلسلہ میں جب بعض ایم۔اے، بی۔اے اور مولوی فاضل خیال کرنے لگے کہ ہماری وجہ سے کام ہو رہا ہے تو خدا تعالیٰ نے ان کے خیال کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جسے دنیا کبھی کوئی وقعت نہ دیتی۔ میں انگریزی تعلیم سے محروم ہوں بلکہ جن معنوں میں آجکل سمجھا جاتا ہے عربی سے بھی لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کر کے میرے ذریعہ دونوں انگریزی اور عربی دانوں کو شکست دے دی۔ میں ابھی میدان سے نہیں ہٹا اور میرے دشمن بھی ابھی نہیں ہٹے اور میں نہیں جانتا کہ میری باقی عمر ایک منٹ ہے یا پچاس سال لیکن خدا تعالیٰ میرے ذریعہ میرے مخالفوں کو ایسی شکست دے گا جو تاریخی ہوگی۔ اگر وہ کہیں کہ پہلے ہمیں پتہ نہ تھا کہ تم چیلنج کرتے ہو تو اب سن لیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے دنیوی علوم سے اس لئے محروم رکھا تا وہ خود میرا معلم بنے اور گو میں انسانی علوم میں فیل ہوں مگر الٰہی علوم میں پاس ہوں باوجود یکہ انسانی

نظروں میں جاہل تھا اور جاہل رہوں گا مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں عالم ہوں، عالم تھا اور عالم رہوں گا۔۔۔۔۔ یادرکھو میری روح بلکہ جسم کے ہر ذرّہ سے خدا تعالیٰ کی آواز بلند ہوتی ہے اس نے میری آنکھیں کھولی ہیں اور میں سب کچھ دیکھتا ہوں اور اگر پھر بھی کوئی مجھے ذلیل سمجھتا ہے تو اس کی پرواہ نہیں، میرے لئے بس ہے کہ اس کی رحمت اور فضل مجھے ڈھانپ لے۔"

(خطبات محمود جلد13صفحہ487)

مسٹر ساگر چند بیرسٹر ایٹ لاء جو ہندوؤں سے مسلمان ہو کر احمدیت میں داخل ہوئے جب قادیان آئے تو حضورؓ نے ان کو نصائح فرمائیں اور بتایا کہ آزمائش کے بعد ہی ایمان کی حقیقت کھلتی ہے۔ اس ضمن میں فرمایا:۔

"ہمیں تو حقیقت میں وہ ایمان پسند ہے جو ایسا پختہ ہو جس کے بعد کوئی تحقیقات اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکیں۔ بعض اوقات رسول کریم ﷺ کوئی بات فرماتے اور پھر فرماتے کہ وَلَافَخرَ۔ اسی طرح میں بھی مجبوراً مثال کے طور پر نہ کہ کسی فخر کے لئے کہتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین رکھتا ہوں کہ کوئی علم اور کوئی تازہ ترین حقیقت قطعاً قطعاً مجھ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ خواہ کسی علمی طریق پر اسلام کی صداقت کی جانچ کی جائے میں اس کا ثبوت دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے ورنہ ایمان کا اعلیٰ درجہ اس سے بہت بلند ہے۔ پس ایمان کی خصوصیت ہے کہ خدا خود سمجھائے بیسیوں دفعہ نئے سے نئے علوم سامنے آتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں لیکن مجھے اس وقت اس کے متعلق اللہ تعالیٰ علم دیتا ہے اور اس وسعت سے دیتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے اور ایسے ایسے علم دیتا ہے جن کے متعلق پہلے میں نے کبھی کوئی بات نہ پڑھی ہوتی ہے نہ سنی۔ اور وہ علم جو آتا ہے وہ خدا کی طرف سے کشف کے طور پر آتا ہے۔ یہاں لوگ آتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اور بعد میں کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے تو یہ علم خوب پڑھا ہوا ہے حالانکہ میں نے وہ علم نہیں پڑھا ہوتا اور یہ بات ایمان کو اور بھی پختہ کرتی ہے خواہ کوئی سا علم ہو جس کو لوگ کتنا ہی اچنبھا خیال کرتے ہوں اس کے سامنے آنے پر فوراً خود بخود اس کی حقیقت کھل جاتی ہے اگر وہ بات غلط ہو تو اس کی غلطی اور اگر درست ہو تو اس کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔"

(الفضل 11/دسمبر 1919 صفحہ14)

مالیات اور تاریخ کے مطالعہ کی وسعت کا اندازہ حضورؓ کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو سکتا ہے:۔

"تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روپیہ تنظیم پر خرچ ہوتا ہے وہ نظروں سے پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے قوم کی طرف سے جب بھی کوئی اعتراض ہوتا ہے وہ تنظیم سے متعلقہ اخراجات ہی پر ہوتا ہے۔۔۔ اگر چہ ایسا اعتراض کرنا حماقت ہوتا ہے کیونکہ سب سے اہم چیز مرکزیت ہوتی ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ ہمیشہ ان اخراجات پر اعتراض کیا جاتا ہے تم انگلستان کی تاریخ کو لے لو، جاپان کی تاریخ کو لے لو، روس کی تاریخ کو لے لو، جب کبھی بھی میزانیہ پر اعتراض ہوا ہے تو اس کے اسی حصہ پر ہوا ہے جو تنظیم کے لئے خرچ ہوا ہے۔ کیونکہ یہ اخراجات نظر نہیں آتے۔"

(الفضل فضل عمر نمبر 5مارچ1966صفحہ7)

مشہور ادیب مؤرخ محقق مکرم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی جو ادبی حلقوں میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہ اس سلسلہ میں اپنے حیران کُن تجربے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت فضل عمر کی نہایت وسیع علمی، ادبی اور تاریخی واقفیت و معلومات کا ایک تجربہ مجھے بھی ہوا ہے۔ میں نے سنسکرت کی مشہور کتاب کلیلہ دمنہ (جس کا فارسی اور اردو میں "انوار سہیلی" کے نام سے ترجمہ ہوا) کی تاریخ اور اس کے مختلف ترجموں کی تفصیل تین سال کی تلاش اور محنت کے بعد مرتب کی مگر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی جب ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں برسبیلِ تذکرہ حضرت صاحب نے نہایت جامعیت لیکن اختصار کے ساتھ اس کتاب کی تمام تاریخ صرف چند لفظوں میں بیان کر دی اور ایسی سلاست اور روانی کے ساتھ کہ میں بے اختیار سوچنے لگا کہ یہ عجیب و غریب واقفیت اور عجیب و غریب قابلیت کا انسان ہے کہ اسے ہر علم اور فن سے پوری واقفیت ہے اور اس کا مطالعہ کتنا وسیع ہے کہ قصہ کہانیوں کی اس کتاب کی بھی ساری تاریخ اس نے چند لفظوں میں بیان کر کے رکھ دی۔"

(الفضل فضل عمر نمبر 5مارچ1966صفحہ19)

علمی فروغ و ترقی

حضرت مصلح موعودؓ کے علمی ذوق و شوق اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر ہونے کی وجہ سے جماعت میں بھی فروغِ علم کا بہت رُجحان تھا۔ حضور اسی رُجحان کو قائم رکھنے اور بڑھانے کے لئے ہمیشہ جماعت کو توجہ دلاتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ عوام کے اس

غلط خیال کہ تعلیم، اساتذہ یا دوسری تنظیموں کی ذمہ داری ہے کی ایک مؤثر مثال دیتے ہوئے تردید کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ دراصل ماں باپ پر ان کی اولاد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ہے۔

یہ اُمید رکھنا کہ دنیا کا کوئی سکول یا کوئی بڑے سے بڑا محکمہ تعلیم وتربیت کا کام کرسکتا ہے بالکل غلط اُمید ہے۔ آپ لوگوں کو خواہ برا لگے یا اچھا سچی بات یہی ہے کہ جب تک جماعت کے دوست فرداً فرداً اپنی اور اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے متعلق اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہ کریں گے یہ بات بالکل ناممکن ہے۔ خدا تعالیٰ نے تعلیم وتربیت کا اختیار خود ہمیں دیا ہے۔ مگر ہم اسے استعمال نہیں کرتے۔ مبلّغ یا مدرس تعلیم وتربیت کا کام کبھی نہیں کرسکتے۔ میرا سینکڑوں بار کا تجربہ ہے کہ جماعتوں نے شکایت کی کہ مبلغ ہمارے ہاں نہیں آتے مگر جب وہاں مبلّغ گیا تو اس نے آکر شکایت کی کہ جماعت کوئی فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی۔۔۔۔ اب پھر یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ اگر دوست واقعی احمدیت سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو خوش کرنا چاہتے ہیں تو اپنے دلوں میں فیصلہ کرلیں کہ تعلیم وتربیت کا کام وہ خود کریں گے، کوئی مبلّغ یا مدرس یہ کام نہیں کرسکتا۔ پیر اکبر علی صاحب اس وقت آپ لوگوں کے سامنے بیٹھے ہیں پہلے میری رائے یہ تھی کہ وہ تعلیم کا کام اچھی طرح نہیں کرسکتے۔ یوں بھی وہ بہت مصروف آدمی ہیں،۔۔۔ کے قانونی مشیر ہیں اور اپنی پریکٹس بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی وہ بچوں کی تعلیم کا بہت اچھا خیال رکھتے ہیں۔۔۔ وہ ایک نمونہ ہیں۔۔۔ پیر صاحب کا ماحول ایسا ہے کہ مجھے ان سے اُمید نہ ہوسکتی تھی اور ان کے لڑکے عزیزم پیر صلاح الدین صاحب کے متعلق میرا خیال تھا کہ انہوں نے خود کوشش کرکے دینی تعلیم حاصل کی ہے مگر جب میں فیروز پور گیا اور ان کے دوسرے بچوں کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس میں پیر صاحب کی کوشش کا دخل ہے۔۔۔ جو یہ امید رکھتے ہیں کہ انجمن ان کے لئے سکول کھولے اور مدرس اور مبلّغ مقرر کرے وہ غلطی کرتے ہیں بیشک اگر طاقت ہو تو ضرور سکول بھی کھولے جائیں مگر حقیقت یہی ہے کہ تعلیم وتربیت کا کام سکولوں اور مبلغوں سے نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک بھی سکول نہ تھا مگر پھر بھی یہ کام نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتا تھا اور اس کی وجہ یہی ہے کہ صحابہ میں سے ہر ایک نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ یہ میرا کام ہے کہ خود سیکھوں اور دوسروں کو سکھاؤں۔ تو اصل تربیت خود ماں باپ ہی کرسکتے ہیں۔"

(رپورٹ مشاورت 1942 صفحہ 13,12)

(سوانح فضلِ عمر جلد نمبر 5 ص 139-151)

رسولِ پاک ﷺ کی قرآن کریم سے محبت

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ رسول کریمؐ کی تلاوت کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا آپؐ لمبی تلاوت کرتے تھے۔ پھر انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر سنائی اسے لمبا کیا پھر الرحمٰن کو لمبا کرکے پڑھا پھر الرحیم کو۔

(مسند احمد جلد 3 ص 119)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ آخری تین سورتوں کی تلاوت کرکے ہاتھوں میں پھونکتے اور اپنے جسم پر پھیر کر سوجاتے۔

(بخاری کتاب الدعوات باب التعوذ والقرأۃ عند المنام)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو کان لگا کر توجہ سے نہیں سنتا جتنا نبی کریمؐ کی تلاوت قرآن کو سنتا ہے جب وہ خوبصورت لحن اور غنا کے ساتھ باآوازِ بلند اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

(مسند احمد جلد 2 ص 450)

حضرت عرباضؓ بن ساریہ کی روایت کے مطابق رسول کریمؐ بستر پر جاتے ہوئے وہ سورتیں جو اللہ کی تسبیح کے ذکر سے شروع ہوتی ہیں۔ (یعنی الحدید، الحشر، الصّف، الجمعہ، التغابن اور الاعلیٰ) پڑھتے تھے اور فرماتے تھے ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔

(مسند احمد جلد 4 ص 128)

حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کو نماز عشاء میں سورۃ التین کی تلاوت کرتے سنا۔ اور خدا کی قسم میں نے آپؐ سے زیادہ خوبصورت آواز میں تلاوت کرنے والا کوئی نہیں سنا۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب القراء فی المغرب والعشاء)

نماز ظہر کی پہلی دو رکعتیں آخری رکعتوں سے تلاوت کے لحاظ سے دوگنی لمبی ہوتی تھیں۔ پہلی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا اندازہ قریباً تیس آیات کے برابر تلاوت کا ہے۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ کے مطابق ظہر وعصر میں سورۃ اللیل کی تلاوت ہوتی تھی۔ (جس کی 21 چھوٹی آیات ہیں دوسری روایت میں سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کا بھی ذکر ہے) اور فجر کی نماز میں نسبتاً اس سے لمبی تلاوت ہوتی ہے۔

(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القرأۃ فی الظہر والعصر والفجر)

(ماخوذ از مضمون مصنفہ مولانا حافظ مظفر احمد)

خدا کے ایک بندہ کو آپکی تلاش ہے!!

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

کیا آپ محنت کرنا جانتے ہیں؟ اتنی کہ تیرہ چودہ گھنٹے دن میں کام کر سکیں!

کیا آپ سچ بولنا جانتے ہیں؟ اتنا کہ کسی صورت میں آپ جھوٹ نہ بول سکیں۔ آپ کے سامنے آپ کا دوست اور عزیز بھی جھوٹ نہ بول سکے۔ آپ کے سامنے کوئی اپنے جھوٹ کا بہادرانہ قصہ سنائے تو آپ اس پر اظہار نفرت کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

کیا آپ جھوٹی عزت کے جذبات سے پاک ہیں؟ گلیوں میں جھاڑو دے سکتے ہیں۔ بوجھ اٹھا کر گلیوں میں پھر سکتے ہیں۔ بلند آواز سے ہر قسم کے اعلان بازاروں میں کر سکتے ہیں۔ سارا سارا دن پھر سکتے ہیں اور ساری ساری رات جاگ سکتے ہیں۔

کیا آپ اعتکاف کر سکتے ہیں؟ جس کے معنے ہوتے ہیں (الف) ایک جگہ دنوں بیٹھے رہنا۔ (ب) گھنٹوں بیٹھے وظیفہ کرتے رہنا (ج) گھنٹوں اور دنوں کسی انسان سے بات نہ کرنا۔

کیا آپ سفر کر سکتے ہیں؟ اکیلے اپنا بوجھ اٹھا کر بغیر اس کے کہ آپ کی جیب میں کوئی پیسہ نہ ہو؟ دشمنوں اور مخالفوں میں' ناواقفوں اور ناآشناؤں میں! دنوں، ہفتوں، مہینوں۔

کیا آپ اس بات کے قائل ہیں کہ بعض آدمی ہر شکست سے بالا ہوتے ہیں وہ شکست کا نام سننا پسند نہیں کرتے۔ وہ پہاڑوں کے کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں وہ دریاؤں کو کھینچ لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں کیا آپ اس قربانی کے لئے تیار ہو سکتے ہیں؟

کیا آپ میں ہمت ہے کہ سب دنیا کہے نہیں اور آپ کہیں ہاں؟ آپ کے چاروں طرف لوگ ہنسیں اور آپ سنجیدگی قائم رکھیں۔ لوگ آپ کے پیچھے دوڑیں اور کہیں ٹھہر جا ہم تجھے ماریں گے اور آپ کا قدم بجائے دوڑنے کے ٹھہر جائے اور آپ اس کی طرف سر جھکا کر کہیں لو مار لو آپ کسی کی نہ مانیں کیونکہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں مگر آپ سب سے منوالیں کیونکہ آپ سچے ہیں۔

آپ یہ نہ کہتے ہوں کہ میں نے محنت کی مگر خدا تعالیٰ نے مجھے ناکام کر دیا۔ بلکہ ہر ناکامی کو اپنا قصور سمجھتے ہوں۔ آپ یقین رکھتے ہوں کہ جو محنت کرتا ہے کامیاب ہوتا ہے اور جو کامیاب نہیں ہوتا اس نے محنت ہرگز نہیں کی۔

اگر آپ ایسے ہیں تو آپ اچھا مبلغ (مربی) اور اچھا تاجر ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہاں؟ خدا کے ایک بندہ کو آپ کی تلاش ہے۔ اے احمدی نوجوان ڈھونڈ اس شخص کو اپنے صوبہ میں، اپنے شہر میں، اپنے محلّہ میں، اپنے گھر میں، اپنے دل میں!!!

(روزنامہ الفضل 28/نومبر 2002)

رُوحِ (حضرت) مصلح موعودؓ سے

پیمانِ شاعر

ثاقب زیروی

تُو نے کی مشعلِ احساس فروزاں پیارے
دل بھلا کیسے بُھلا دے ترا احساں پیارے

کون افلاک پہ لے جائے یہ رُودادِ الم
تیرا متوالا ابھی تک ہے پریشاں پیارے

رُوحِ پژمردہ کو ایماں کی جلائیں بخشیں
اور انوار سے دھو ڈالے دل و جاں پیارے

رُوح پھرتی ہے بھٹکتی ہوئی ایوانوں میں
دل ہے نیرنگیٔ افلاک پہ حیراں پیارے

ولولوں نے ترے ڈالی مہ و انجم پہ کمند
تُو نے کی سطوتِ اسلام درخشاں پیارے

شُکرِ ایزد تری آغوش کا پالا آیا
اپنے دامن میں لئے دولتِ عرفاں پیارے

اب وہی دینِ محمدؐ کی قسم کھاتے ہیں
تھے جو مشہور کبھی دُشمنِ ایماں پیارے

فکر میں جس کے سرائیت تری تخییل کی ضو
گفتگو میں بھی وُہی حسن نمایاں پیارے

پہلے بخشا مرے بہکے ہوئے نغموں کو گداز
پھر مری رُوح پہ کی درد کی افشاں پیارے

جس کی ہر ایک ادا "نافلةً لکَ" کی دلیل
جس کی ہر ایک نوا درد کا عنواں پیارے

مجھ کو بھولے گی کہاں وہ تیری بھرپور نگاہ
جگمگا اٹھا تھا جب فکر کا ایواں پیارے

دیکھ کر اس کو لگی دل کی بُجھا لیتا ہوں
آنے والے پہ نہ کیوں جان ہو قرباں پیارے

اب نگاہیں تجھے ڈھونڈیں بھی تو کس جا پائیں
جانے کب پائے سکوں پھر دلِ ویراں پیارے

تیری اس شمع کا پروانہ صفت ہوگا طواف
تیرے ثاقبؔ کا ہے اب تُجھ سے یہ پیماں پیارے

تزکیۂ نفس کے اصول

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مرزا بشیرالدین محمود احمد المصلح الموعودؓ نے 1919 کے جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک پُر معارف تقریر فرمائی جو **"عرفانِ الٰہی"** کے نام سے طبع ہوئی۔ اس میں حضورؓ عارف باللہ بننے کی بنیادی شرط ''تزکیۂ نفس'' پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تزکیۂ نفس اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک پہلے بدیوں سے اجتناب اور پھر نیکیوں کو اختیار نہ کیا جاوے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان افعال کا جن کو حضرت احدیت ناپسند فرماتے ہیں اور ان کا جن کو پسند فرماتے ہیں پورا پورا علم حاصل کیا جاوے۔ **حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قرآن پر جس پر آپ تلاوت فرماتے تھے۔ اَوَامر اور نَوَاھی کی فہرست بنائی ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کے اَوَامر اور نَوَاھی کی تعمیل کا کس قدر خیال تھا۔۔۔''**

ان اَوَامر اور نَوَاھی پر عمل کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ اس کا ایک آسان حل بتاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے اور انسان کے ذہن میں ایک تصویر ہونی چاہیئے کہ کونسے اعمال اَوَامر اور کونسے اعمال نَھی کے زمرہ میں آتے ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں:

''اس تبویب سے ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہوگا کہ انسان کو اعمال کی جڑ اور شاخوں کا پتہ لگ جائے گا۔ اور جب کسی عمل میں نقص پیدا ہوجائے گا تو آسانی کے ساتھ اس کی اصلاح کر سکے گا۔ مگر اس طرح محاسبہ کرنے کی بھی ہر شخص میں طاقت نہیں ہوتی اس لئے آسان ترکیب بتاتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ انسان سال کے بعد اپنے اعمال کا محاسبہ کرے یا چھ ماہ یا چار ماہ یا ایک ماہ بعد۔ اس طرح کرے کہ قرآن مجید کے اَوَامر اور نَوَاھی پر نشان لگالے۔ **اور پھر عہد کرے کہ روزانہ ایک دو تین یا جتنے رکوع پڑھ سکے، پڑھا کرے، اور پڑھتے وقت اس بات کی احتیاط رکھے کہ طوطے کی طرح نہ پڑھے۔ بلکہ اَوَامر اور نَوَاھی پر غور کرے اور روزانہ پڑھتے وقت جس حکم کا ذکر آوے اس پر سوچے کہ کیا میں یہ کام کرتا ہوں۔ اور جس نھی کا ذکر آوے اس پر غور کرے کہ کیا میں اس سے باز رہتا ہوں۔** اس طرح بآسانی محاسبہ ہو جائے گا۔ دیکھو جب کوئی شخص مکان تعمیر کراتا ہے تو انجینئر یا اور کسی واقف کار انسان سے حساب لگواتا ہے تا کہ کوئی چیز رہ نہ جائے اور مکان مکمل نہ ہو سکے۔ اسی طرح رُوحانی عمارت تعمیر کرنے کے لئے قرآن انجینئر ہے۔ اس سے پوچھنا چاہیئے کہ ہمیں ایمان کی تکمیل کے لئے کونسی چیزوں کی ضرورت ہے اور اس کا یہی طریق ہے کہ قرآن پڑھتے وقت جو جو اَمر یا نَھی آئے اس پر غور کرتے چلے جائیں۔۔۔''

اس مضمون کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے آپ نے بڑے دلنشین انداز میں بیان فرمایا ہے کہ اپنے اعمال کو جاننے کے بارے میں انسان اکثر خوش فہمی کا شکار ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے اپنے نفس سے دھوکا کھا سکتا ہے تزکیۂ نفس کے حصول میں یہ ایک نہایت احتیاط طلب مرحلہ ہے۔ اس نکتہ کو ایک مثال سے واضح کرتے ہوئے آپؓ فرماتے ہیں:

''اس معاملہ میں نفس کی بات نہیں ماننی چاہیئے، مثلاً غیبت ہے اس کے متعلق اگر نفس کہے کہ میں نے کبھی غیبت کی ہی نہیں تو اس کو تسلیم نہیں کر لینا چاہیئے بلکہ اول تو اپنے اعمال کو ٹٹولے۔ اگر پھر بھی معلوم ہو کہ اس نے یہ جرم نہیں کیا تو پھر غیبت کی تشریح کرے کہ غیبت کیا شے ہے۔ کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ کسی کی برائی کر رہے ہوتے ہیں۔ جب انہیں سمجھایا جائے کہ کیوں غیبت کرتے ہو تو کہتے ہیں کیا ہم جھوٹ کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم یہ بات تو اس کے مُنہ پر بھی کہنے کے لئے تیار ہیں۔ گویا وہ غیبت کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ جو بات مُنہ پر نہ بیان ہو سکے وہ غیبت ہوتی ہے۔ حالانکہ جو شخص کسی بھائی کے عیب اس کے پیچھے بیان کرتا ہے اور پھر اس کے سامنے بیان کرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے وہ دو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اول غیبت کا دوم دل آزاری کا۔ **لیکن اکثر لوگ غیبت کی تعریف نہ جاننے کی وجہ سے اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔''**

خطبہ جمعہ

میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم اپنے اندر وہ نقوش پیدا کرلو جو نقوش مہرِ محمدی کے نقوش ہیں تو اربوں آپ کی وجہ سے بچائے جائیں گے

بچوں کی تربیت سے متعلق نہایت اہم زریں ہدایات

خطبہ جمعہ ارشادفرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۲۰/جون ۱۹۹۷ء بمطابق ۲۰/احسان ۱۳۷۶ ھجری شمسی بمقام مسجد بیت الرحمٰن واشنگٹن (امریکہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - ملٰك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

يآ ايهاالذين اٰمنوا اتقوا الله ولتنظر نفس مّا قدّمت لغدٍ واتقوا الله انّ الله خبير بما تعملون

(سورہ الحشر آیت ۱۹)

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس خطبہ جمعہ کے ساتھ جماعت احمدیہ یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کا انچاسواں جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جماعت یونائیٹڈ سٹیٹس کے مالی قربانی کرنے والوں کو بہترین جزاء دے جنہوں نے یہ انتظام کیا ہے کہ یہ خطبہ اس وقت ساری دنیا میں سنایا جارہا ہے اور اسی طرح جلسے کے کچھ حصے بھی تمام دنیا میں نشر کئے جائیں گے۔ جماعت احمدیہ یونائیٹڈ سٹیٹس کے کچھ اپنے مسائل ہیں۔ کچھ تو ایسے مسائل ہیں جو سب دنیا کے برابر ہیں لیکن پھر بھی ملک ملک میں فرق پڑتا جاتا ہے۔

آج جو میں نے آیت تلاوت کی ہے اس میں تربیتی مسائل کی طرف خصوصیت کے ساتھ اگلی نسلوں کی تربیت سے متعلق بنیادی اصول پیش فرمائے گئے ہیں۔ گزشتہ خطبے میں میں نے یا دو تین خطبات میں تبلیغ کی طرف توجہ دلائی تھی مگر تبلیغ کو تقویت ملتی ہے تبلیغ کرنے والوں کی اپنی تربیت کے ساتھ اور تبلیغ کے اپنے بھی کچھ مسائل ہیں کیونکہ نئے آنے والے ایسے آتے ہیں جو تربیت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر تربیت کرنے والے خود تربیت کے محتاج ہوں تو اس سے بہت سے گھمبیر مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہم نے خصوصیت کے ساتھ مستقبل کی طرف توجہ دینی ہے اس لئے **ہماری نظر موجودہ مسائل پر بھی رہنی ضروری ہے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے تعلق میں بھی ہمیں جماعت کی اور نئے آنے والوں کی ایسی ٹھوس تربیت کرنی ہے جس کے نتیجے میں ہم کہہ سکیں کہ ہم نے صدی کے سر پر پیدا ہونے کا حق ادا کردیا۔**

بہت سے ایسے خاندان ہیں جن سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ ایفرو امریکن خاندانوں نے اکثر تربیت ہی کے متعلق سوال کئے کیونکہ وہ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے جس ماحول نے ان کے بچوں تک گہرا اثر کر رکھا ہے۔ چنانچہ اس ماحول سے الگ ہو کر اسی ماحول کی تربیت کرنا جس میں وہ پیدا ہوئے ایک بہت ہی مشکل مسئلہ ہے۔ چنانچہ کل بھی سوال و جواب کی مجلس میں ایک مخلص احمدی دوست نے یہی توجہ دلائی کہ ہمیں بتایا جائے کہ ہم کیا کریں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو بچپن سے شروع ہوتی ہیں اور بچپن ہی میں ان کی بنیاد ڈالنی ضروری ہے۔ میں سب سے پہلے انہی کی طرف آپ کی توجہ منعکس کرتا ہوں۔ کیونکہ جب تک بچوں کی نسل کو نہ سنبھالا جائے آئندہ کے

متعلق کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی- یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے اسی طرف اشارہ فرمارہی ہے ﴿یآ ایھاالذین امنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدّمت لغد﴾ اے لوگوجوایمان لائے ہواللہ کا تقویٰ اختیار کرواور کل پر نظر رکھو کہ تم کل کے لئے کیا آگے بھیج رہے ہو-

پس آج کے بچے کل کی نسلیں ہیں جنہوں نے آج کا احمدیت کا پیغام اگلی صدی میں منتقل کرنا ہے- بچوں کی طرف تربیتی نقطہ نگاہ سے توجہ دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ ماں باپ جو بچوں کی تربیت کرتے ہیں خود ان کی بھی تربیت ہوتی ہے اور لازم ہے کہ وہ اپنی تربیت اپنے بچوں کے حوالے سے کریں- تو پہلی بات جو بچوں کے تعلق میں خصوصیت سے یہاں کے ماحول میں بتانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ **ماں باپ کے لئے لازم ھے کہ بچپن ھی سے اپنے بچوں کا تعلق اپنے ساتھ بڑھائیں اور ایسے خاندان بنائیں جن میں نگاھیں اندر کی طرف اٹھنے والے ھوں اور بچوں کو گھر کے ماحول میں سکون ملے-**

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ سختی سے بچوں کو دبانے کے نتیجے میں اگر اس عمر تک جب تک وہ ان کے ماتحت ہیں ان میں کوئی خرابی پیدا ہوتی دکھائی نہیں دے رہی تو وہ غلطی پر ہیں- چونکہ بہت سے بچے اپنے ماں باپ کے حکم کی تعمیل میں یا ان کی سختی سے ڈر کر بسا اوقات اپنے دل کی خواہشات کو دبائے رکھتے ہیں اور جب وہ سوسائٹی میں کھل کر باہر جاتے ہیں تو وہ خواہشات ایک ایسے ماحول میں پنپنے لگتی ہیں جو ان کے لئے سازگار ہے- ہر بدی کا خیال، ہر اس لذت کی تمنا جو جلدی حاصل کی جاسکتی ہے امریکہ کی سوسائٹی میں سب سے زیادہ جلدی حاصل کی جاسکتی ہے- دنیا کی ہر سوسائٹی میں یہ مسئلہ ہے لیکن امریکہ میں تو ماحول میں اتنی زیادہ سرعت کے ساتھ دل کی لذت کے سامان پیدا کئے جاتے ہیں کہ بچوں کو بہکانے کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی چیز ممکن نہیں ہے- چنانچہ جب وہ گھر کے ماحول سے نکلتے ہیں تو باہر کا ماحول انہیں بدیوں میں خوش آمدید کہتا ہے، نیکیوں میں نہیں اور یہ ایک اس ماحول کی خصوصیت ہے جسے بچوں کو سمجھانا ضروری ہے-

میں نے دیکھا ہے کہ بچے یہ شکایت کرتے ہیں کہ جب ہم اسلامی طریق پر عمل کررہے ہوں تو لوگ ہم پر ہنستے ہیں، لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ یہ اور قسم کی نسل ہے اور ماحول کا یہ اختلاف اور نیکی پر حملہ کرنا یہ امریکہ کے ماحول کا ایک جزو بن چکا ہے- امریکہ کی فضا ایسی ہے کہ وہ لازماً گھر سے باہر نکلنے والے بچوں کو اپنی طرف کھینچے گی اور ان کی اچھی عادات کو فرسودہ خیالات کہہ کر ان کو رد کرتی ہے اس کے نتیجے میں بچے میں خود اعتمادی کا فقدان ہوجاتا ہے- وہ سمجھتا ہے کہ جو اپنے گھر سے میں اقدار لے کر چلا تھا سوسائٹی میں تو ان کی کوئی بھی قیمت نہیں، سوسائٹی میں جن اقدار کی قیمت ہے وہ ایسی اقدار ہیں جن کو گھر میں برا کہا جاتا تھا- پس آزادی کا ایک احساس باہر نکل کر ایسا پیدا ہوتا ہے جو تیزی کے ساتھ ایسے بچوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے-

پس اس مشکل کو پیش نظر رکھتے ہوئے لازم ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کے دل اپنی طرف یعنی ماں باپ اپنی طرف مائل کریں اور گھر کے ماحول میں ان کی لذت کے ایسے سامان ہونے چاہئیں کہ وہ باہر سے گھر لوٹیں تو سکون کی دنیا میں لوٹیں، بے سکونی سے نکل کر اطمینان کی طرف آئیں- اور یہ باتیں صرف اسی صورت میں ممکن ہیں جب آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت پر غور کیا جائے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان دو اور بائیں کان میں تکبیر کہو- بہت سے لوگ ہیں جو اس کا فلسفہ نہیں سمجھتے- وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تو کوئی فائدہ نہیں- اکثر ایسے بچے مختلف زبانیں بولنے والوں کے بچے ہوتے ہیں ان کو تو عربی کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ کیا چیز ہے- وہ سمجھتے ہیں کہ بظاہر ایک بیکار بات ہے- میں اس وقت اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ نفسیاتی لحاظ سے اس کا کیا اثر پڑتا ہے اور بچے کا دماغ کن باتوں کو شروع ہی سے قبول کرتا ہے اور پھر محفوظ رکھتا ہے- اس بحث کو چھوڑتے ہوئے میں ان ماں باپ کو بتارہا ہوں جو اذان دیتے یاد دلواتے ہیں، وہ تکبیر دیتے یاد دلواتے ہیں ان کو تو متوجہ ہونا چاہئے وہ تو باشعور ہیں- آخر کیوں یہ کہا گیا!؟ ایک اس کا پہلو وہ ماں باپ ہیں جن کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں- ان کو سمجھایا گیا ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کی صحیح تربیت کرو ورنہ بعد میں یہ ہاتھ سے نکل جائیں گے- **تو پہلی تربیت کا وقت بچپن کا آغاز ھے اور اس وقت کی تربیت ایسی ھے جو ھمیشہ کے لئے آئندہ زندگی کی بنیادیں قائم کرتی ھے-** اس بات کو بھلانے سے بہت سے لوگ نقصان اٹھاجاتے ہیں-

بچوں سے ہر قسم کی پیار کی باتیں تو ہوتی ہیں ان کی خواہشات کا خیال رکھا جاتا ہے مگر بچپن سے ان کو نیکی پر قائم کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی- اس لئے سب سے اہم بات اس ماحول میں جیسا کہ دوسرے ماحول میں بھی بہت ہی اہم ہے لیکن امریکہ میں **خصوصیت کے ساتھ جماعت کو اس طرف توجہ دینی چاھئے کہ بچوں سے ایسی باتیں کریں جو اللہ اور رسول اور نیک لوگوں کی محبت پیدا کرنے والی باتیں ھوں اور ان کو نیکی کی اقدار سمجھائیں-** اور اس کے لئے گھر میں مختلف قسم کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں-

جب ایک بچہ اچھی بات کرتا ہے تو ماں باپ کا فرض ہے کہ اس بات کو بڑی اہمیت دیں اور اس بچے کی اس بات کا ذکر چلائیں کیونکہ وہ بچہ جو اچھی بات پر مثلاً کسی موقع پر وہ جھوٹ بول سکتا تھا اس نے نہیں بولا اور سچ بول کر بظاہر نقصان اٹھایا ہے اگر آپ اس کی باتیں آنے والوں میں ذکر کیا کریں اور سوسائٹی میں اپنے گھر میں، گھر سے باہر اس بچے کو اس طرح پیش کریں کہ دیکھو اس کے دل میں شروع ہی سے نیکی ہے تو ایسا بچہ اس بات کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ ناممکن ہے کہ اس کے دل سے اس ماحول میں نیکی کی اہمیت کا اثر مٹ جائے۔

دوسرے جب وہ کوئی بری بات کرتا ہے تو اسے سمجھانا اس طریق پر کہ وہ سمجھ جائے اور اسے محسوس ہو کہ میں ایک برابر کی چیز ہوں، میں بھی ایک عقل رکھنے والا وجود ہوں جو کچھ میں سوچتا ہوں، ماں باپ کی سوچ اس سوچ پر اثر انداز ہو رہی ہے نہ کہ اس کا ہماری سوچ پر حکم چل رہا ہے۔ پس **تحکم سے احتراز لازم ہے** اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز کے قیام کے سلسلے میں شروع میں بچپن میں بچوں پر تحکم کی اجازت نہیں دی۔ سات سال سے پہلے تو کسی تحکم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سات سال سے دس سال تک ایسی نصیحت جس کے نتیجے میں بچے نمازوں کی طرف متوجہ ہوں اور بار بار ان کو نمازوں کی عادت ڈالنے کی طرف ماں باپ کو توجہ دلانا یہ تو ہمیں ملتا ہے لیکن بچوں کو اس پر سزا کوئی نہیں ہے کہ وہ سات سال سے دس سال کی عمر میں نمازوں سے مونہہ موڑتے ہیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے ان کو سات سے دس سال تک سزا دینے کا کہیں ارشاد نہیں فرمایا۔ تین سال مسلسل ماں باپ کو نصیحت کے ذریعے اثر انداز ہونا ہے۔ ایسی باتیں کہنی ہیں جو ان کے دل اور دماغ کو اسلام کی طرف پھیرنے والی ہوں اور دل کے اطمینان سے وہ اسلام کی طرف مائل ہوں۔

اور دس سال تک جب وہ اس عمر کو پہنچیں جہاں صرف گھر ہی میں نہیں باہر بھی ایسے بچوں کو کچھ نہ کچھ سزا ضرور دی جاتی ہے۔ پرانے زمانے میں تو سکول میں ایسے بچوں کو جو دس سے بارہ سال کی عمر میں ہوں سوٹیاں بھی پڑتی ہیں اور کئی قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں بلکہ وہاں تو اس سے پہلے بھی بعض دفعہ سزا شروع ہو جاتی ہے تو پہلے سزا کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہے، جھوٹ ہے۔ اس سے باز رہیں۔ اور اس کے بعد جو سزا ہے اس کو آنحضرت ﷺ نے معمولی سرزنش قرار دیا ہے۔ ہرگز کسی قسم کی سختی ایسی نہیں جس سے بچے کے بدن پر ایسی ضرب پڑے، جس سے اس کو نقصان پہنچ سکے۔ اور یہ وہ پہلو ہے، جس کو بچپن کی تربیت میں آپ کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ یعنی **سات سال کی عمر تک پیار اور محبت سے اپنے ساتھ دل لگائیں، ان کی اچھی باتوں کو اُچھالیں کیونکہ اس عمر میں بچے ضرور اپنی تعریف کو خوشی سے قبول کرتے ہیں اور جس بات کی تعریف کی جائے اس پر جم جایا کرتے ہیں۔ جس چیز سے نفرت دلائی جائے اس سے متنفر ہو جایا کرتے ہیں۔**

تو آئندہ آنے والے جو خطرات ہیں ان کا بچپن ہی میں تصور باندھیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ماحول کی بدی کو ان کے سامنے اچھال کر پیش کریں۔ ان کو بتائیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ سات سال سے اوپر دس سال تک پہنچیں تو پھر خصوصیت سے عبادتوں کی طرف متوجہ کرنا بھی آپ کی تربیت کا ایک حصہ بن جائے گا۔ اس کے بعد ناپسندیدگی کا اظہار، ان سے مونہہ موڑنا اگر وہ بری حرکت کریں، نمازیں نہ پڑھیں تو بعض دفعہ ڈانٹنا اور سمجھانا یہ چیزیں بارہ سال کی عمر تک جائز ہیں۔ اور بارہ سال کے بعد آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اب تمہارا ان پر کوئی سختی کا حق باقی نہیں رہا جو کچھ تم نے کرنا تھا وہ وقت گزر گیا ہے۔

اب دیکھیں اس پہلو سے مغربی تہذیب اور اسلام میں کتنا نمایاں فرق ہے۔ مغربی تہذیب میں مختلف سال مقرر کر دیئے جاتے ہیں مثلاً اٹھارہ سال، اکیس سال یا سولہ سال اور ان سالوں کا بعض جرائم سے تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ آج کل جو ترقی یافتہ ممالک ہیں ان میں یہ معین کیا جا رہا ہے کہ سولہ سال کی عمر تک کسی لڑکے کو کس جرم کی کتنی سزا ملنی چاہئے، اٹھارہ سال تک کس جرم کی کتنی سزا ملنی چاہئے اور اکیس سال کی عمر میں جا کر پھر وہ کلیتہً ہر سزا کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ اسلام نے بارہ سال اس لئے مقرر کیے ہیں کہ یہ بلوغت کا آغاز ہے اور بارہ سال میں بچہ اتنی ذہنی پختگی اختیار کر جاتا ہے کہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں خود فیصلہ کر سکے۔

پس اسلام کی بلوغت کا آغاز دنیا والوں کی بلوغت سے بہت پہلے ہوتا ہے اور یہ بہت ضروری بات ہے۔ کیونکہ اگر بارہ سال تک بچہ اپنے سیاہ و سفید کو دیکھ نہ سکتا ہو تو پھر اٹھارہ سال تک بھی نہیں دیکھے گا بلکہ اپنی بدعادتوں میں اتنا پختہ ہو جائے گا جب وہ اٹھارہ سال کی عمر سے گزر کر سوسائٹی میں جاتا ہے تو پھر اس میں وہ بدی ایک مستقل دائمی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس کے متعلق میں آپ کو بھی متوجہ کر رہا ہوں اور انگلستان میں اکثر جوان مسائل میں دلچسپی لینے والے سوشل راہنما یا سیاسی راہنما ہیں وہ جب مجھ سے گفتگو کے لئے آتے ہیں تو میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ تم بنیادی طور پر ایک غلطی کر رہے ہو۔ مثلاً بعض چھوٹے بچوں کو وہاں قتل پر آمادہ کرنے والے گروہ بن چکے ہیں اور ان سے وہ قتل کرواتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کو سزا نہیں ملے گی۔ اسی طرح چوری ڈاکہ، سکولوں میں ڈرگ اڈکشن (Drug Addiction) کے لئے اس قسم کے گروہ تیار کیے جاتے ہیں اور یہ محض غلط قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔

جب تک قوانین درست نہ ہوں اس وقت تک انسان کی صحیح تربیت اور معاشرے کی صحیح اصلاح ممکن نہیں ہے۔ مگر ہمیں جس نے قانون دیا یعنی اللہ تعالیٰ، اس نے ایک

ایسا قانون دان عطا فرمایا جس سے بڑھ کر کوئی قانون دان دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ ۔ آپ نے قرآن کے قانون کو سمجھا اور اپنی امت میں اسے جاری فرمایا۔ یہی ایک پہلو آپ دیکھیں کہ جب بھی گفتگو آگے بڑھی وہ تمام ملنے والے اس بات پر یقینی طور پر مطمئن ہو کر گئے کہ ہمارے معاشرے کی غلطی ہے۔ اس کی اصلاح کے بغیر ہم کسی تربیت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی بلوغت تک پہنچتے پہنچتے یعنی اٹھارہ سال یا اکیس سال تک اگر بدی کی سزا نہ دی جائے تو بچے کو بدی پر جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ وہ عمر ہے جس میں جرأت ایک دوام اختیار کر جاتی ہے، ایک ایسی عادت بن جاتی ہے کہ جسے پھر چھوڑنا ممکن نہیں رہتا۔

چنانچہ اکثر انگلستان میں بھی اور یورپ کی دوسری سائیٹوں میں بھی ایسے بد بچے بالغ بنا کر سوسائٹی میں پھینکے جاتے ہیں جو اپنی بدیوں پر پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ جسے ڈرگ اڈکشن (Drug Addiction) کی شروع سے عادت پڑ گئی ہو، جسے ڈرگ بیچ کر پیسے لینے کی عادت پڑ جائے، کیسے ممکن ہے کہ وہ اٹھارہ یا اکیس سال کے بعد قانون کے ڈر سے ان عادات کو چھوڑ دے۔ تو معمولی سی عقل کی بات ہے اسے استعمال کر کے اگر دیکھا جائے، جیسا کہ یہ لوگ نہیں دیکھ رہے بدقسمتی سے، تو انسان لازماً آنحضرت ﷺ کی تعلیم کی طرف لوٹے گا۔ پس تربیت کا آغاز شروع سے ہونا چاہئے اور بارہ سال کی عمر تک پہنچ کر اس تربیت کو اتنا مکمل ہو جانا چاہئے کہ اس کے بعد بچہ اپنے سیاہ و سفید کا مالک ہو۔ اور پھر اگر وہ سوسائٹی کا جرم کرے تو سوسائٹی اس کو سزا دے۔ اگر خدا کا جرم کرے تو خدا سزا دے گا ماں باپ کا کام نہیں کہ اس کو سزا دیں۔ یہاں پہنچ کر معاشرے اور احمدی ماحول کی جو طرز عمل میں ایک فرق ہے جو میں آپ کے سامنے نمایاں طور پر رکھنا چاہتا ہوں۔

بہت سے بچے اور بچیاں جو امریکہ کے ماحول میں پیدا ہوئے ان کے متعلق ماں باپ بہت سے تو نہیں کہنا چاہئے مگر کئی ایسے ہیں کہ ان کے ماں باپ بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں روتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں، مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہماری جوان بچیوں کو کیا ہو گیا۔ بہت اچھی اور نیک اور مخلص تھیں بے حد دین سے تعلق تھا نمازیں بھی پڑھتی تھیں مگر اچانک جب کالجوں میں گئی ہیں تو ان کی کایا پلٹ گئی۔ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ اچانک کچھ نہیں ہوا کرتا۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بچیاں جو دل سے نیکی پر قائم ہو چکی ہوں اچانک معاشرے میں جا کر ان کی کیفیت بدل جائے۔ لازماً دل میں کچھ دبی ہوئی خواہشات رہی ہیں جن کو گھر میں پنپنے نہیں دیا گیا اور جن کو سنبھالنے کے لئے کوئی ذہنی کوشش نہیں کی گئی۔

اس لئے اب یہ دوسرا پہلو ہے جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کوششیں بھی بارہ سال سے پہلے پہلے کام کر جائیں گی ورنہ نہیں کریں گی۔ یعنی بلوغت کا آغاز جس کو میں بارہ سال کہہ رہا ہوں اس میں بچے کے اپنے دل میں خصوصیت کے ساتھ ایسی جنسی خواہشات جنم لینے لگتی ہیں جن سے وہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان امور میں پہلے ہی اس کی تربیت کی گئی ہو تو وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہوگا اور اس تربیت میں ماں باپ کو اپنے بچوں کے ساتھ وقت لگانا ہوگا بجائے اس کے کہ سکولوں کے اوپر چھوڑ دیا جائے یا کالجوں پر چھوڑ دیا جائے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جن ماں باپ نے بچوں پر اس لحاظ سے محنت کی ہو کہ ان کو نیکی اور بدی کی تمیز سکھائی گئی ہو، اس طریق پر سکھائی گئی ہو کہ وہ زندگی کا فلسفہ بن جائے وہ بچے اسے زندگی کے فلسفے کے طور پر قبول کریں۔

اور یہ پہلو تربیت میں بہت ہی اہم ہے کہ تعلیم کے ساتھ تعلیم کا فلسفہ بتایا جائے کیونکہ قرآن کریم

نے آنحضرت ﷺ کو ایک ایسے معلم کے طور پر پیش فرمایا ہے جو ﴿یعلمھم الکتاب والحکمۃ﴾ کہ وہ صرف تعلیم کتاب پر اکتفاء نہیں کرتا وہ اس کی حکمت بھی سمجھاتا ہے۔ پس جو خرابی میں نے دیکھی ہے اس میں ان دو چیزوں کے اندر جو فرق کیا جاتا ہے یہی فرق ہے جو آئندہ خرابیوں کا موجب بنتا ہے۔ ماں باپ کہتے ہیں ہم نے ان کو تعلیم دی ان کو بچپن سے نمازیں پڑھنی سکھائیں اور قرآن کی تلاوت بھی یہ کیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس تعلیم کی حکمت نہیں بتائی گئی۔ اور حکمت ایسی چیز ہے جو دل کو اس تعلیم کے ساتھ اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ پھر آئندہ کبھی وہ الگ نہیں ہو سکتی۔ مثلاً باہر کی دنیا میں جوان کو دلچسپیاں دکھائی دیتی ہیں ان کی مثال ایسے جانوروں سے بھی دی جا سکتی ہے جو بظاہر بڑے خوبصورت ہیں مثلاً سانپ ہے۔ بعض دفعہ اس کے بہت ہی پیارے رنگ ہوتے ہیں نظر کو بھاتا ہے۔ اسی طرح بعض کاٹنے والے جانور ہیں جو بہت خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے متعلق اگر یہ سمجھایا جائے کہ ان کو جب تم ہاتھ لگاؤ گے، ان کی طرف مائل ہو گے تو لازماً یہ ڈسیں گے اور لازماً نقصان پہنچائیں گے۔ اور اس بات کو اگر بچپن ہی سے دل میں بٹھا دیا جائے تو کوئی انسان جو اس حکمت کو سمجھ جائے وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر یہ حکمت بچپن سے بتائی نہ جائے اور سمجھائی نہ جائے اور دل میں بٹھانہ دی جائے تو پھر انسان ایسے تجربے کرنے پر آزادی محسوس کرے گا۔

پس یہ نہ سمجھیں کہ معاشرے کی خرابیوں کو سمجھانے کا وقت بلوغت کے بعد شروع ہوگا۔ بچپن سے سمجھانا ضروری ہے، ان بچوں کے ساتھ بیٹھنا ضروری ہے، ان کو ٹیلیویژن دکھانی ضروری ہے۔ جو ٹیلی ویژن یہ دیکھتے ہیں اس وقت ماں باپ کو چاہئے کہ کچھ اپنا وقت خرچ کریں اور ساتھ بیٹھیں اور ان کو بتائیں کہ دیکھو یہ خرابیاں ہیں اور ان خرابیوں کی حکمتیں اس طریق پر سمجھائی جائیں کہ وہ جاگزیں ہو جائیں اور انسانی فطرت اور سوچ کا حصہ بن جائیں۔ اس سلسلے میں چند مثالیں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں، مثلاً اگر ان کو یہ سمجھایا جائے کہ یہ بدیاں چیز کیا ہیں؟ کیوں ان سے منع کیا جاتا ہے؟ نیکیاں کیا ہوتی ہیں؟ اور نیکی کے فوائد کیا ہیں؟ اور پھر معاشرے کے حوالے سے ان کی تفصیل سمجھائی

جائے تو ناممکن ہے کہ بچہ ان امور کی طرف توجہ نہ دے۔

پہلی بات جو نمایاں طور پر ان کے سامنے رکھنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بدی سے ایک لذت پیدا ہوتی ہے اس کا انکار کرنا جائز نہیں۔ **ہر قسم کی بدی سے ایک لذت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ لذت ہمیشہ یا الٹ کر اس بدی کرنے والے کو نقصان پہنچاتی ہے یا ماحول کو نقصان پہنچاتی ہے**۔ پس ہر وہ لذت جس کے ساتھ ایک نقصان وابستہ ہو چکا ہے جس سے اس کو علیحدہ کیا جا ہی نہیں سکتا وہ بدی ہے۔ لیکن لذت سے محرومی کا نام نیکی نہیں ہے۔ یہ اگلا قدم ہے جس پہ ان کو خوب اچھی طرح سمجھانا ضروری ہے کہ ہم جو تمہیں نیکی کی طرف بلاتے ہیں اس لئے کہ نیکی میں ایک لذت ہے اور ان بدی کی لذت اور نیکی کی لذت میں بہت بڑا فرق ہے۔ بدی کی لذت میں ضرور کوئی نہ کوئی کانٹا چھپا ہوتا ہے وہ ضرور نقصان پہنچاتی ہے اور جتنی بھی موجود سوسائٹی کی بدیاں ہیں ان کو دیکھ لیں وہ لازماً سوسائٹی میں بے اطمینانی پیدا کریں گے اور کسی نہ کسی خرابی پر منتج ہوں گی۔ چنانچہ ساری سوسائٹی میں وہ خرابی بے چینی بن کر پھرتی ہے لیکن سوسائٹی اس بے چینی کے باوجود اپنی لذت کے حصول کی خاطر اس کی طرف لپکتی بھی ہے۔

یہ وہ تضاد ہے معاشرے کا جس کو بچپن ہی سے اپنی اولاد کے سامنے کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے چھوٹی چھوٹی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک بچے سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم اگر اپنے بھائی کی کوئی چیز لے کر بھاگ جاؤ تو تمہیں تو مزہ آئے گا، تمہیں کچھ حاصل ہوگا، یہ درست ہے نا! ۔ یہ بات ہے۔ اپنی چھوٹی بہن سے کوئی چیز چھین لو تو تم لطف اٹھاؤ گے لیکن یہ ایسا لطف ہے جس کے نتیجے میں اسے دکھ ضرور پہنچے گا۔ پس **وہ لطف جو کسی کے دکھ پر مبنی ہو یہ بدی ہے**۔ لیکن اس کے برعکس اس کو سمجھایا جا سکتا ہے کوئی چیز اس کو دی جا سکتی ہے کہ اپنی بہن کو یہ خوشی کا جس کو سرپرائز (Surprise) کہتے ہیں یعنی خوشی میں ایک حیرت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے اسے یہ چیز دے دو، چھپ کر اس کے بٹوے میں ڈال دو یا اس کے کمرے میں رکھ دو اور وہ تعجب کرے کہ میرے دل کی یہ چیز، میری خواہش کس نے پوری کی۔ اس میں بھی ایک خوشی ہے اور ان دونوں خوشیوں میں ایک فرق ہے۔

پہلی خوشی کی صورت میں جو نقصان پہنچا کر لذت اٹھاتا ہے اس کی لذت دائمی نہیں رہتی بلکہ اسی وقت اس کے ضمیر میں سے ایک کانٹا نکلتا ہے جو کچھ نہ کچھ ضرور چبھتا ہے۔ اور یہ بات ان بچوں کو جن کو آپ بچہ سمجھ رہے ہیں سمجھانی ضروری ہے۔ کیونکہ بچے بہت عقل والی چیز ہیں۔ میرا بچوں سے یہ تجربہ ہے کہ جن کو لوگ بچے سمجھ کے نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ ذہین اور ہوشیار اور گہری باتوں کو سمجھنے والے ہوتے ہیں صرف صبر کی ضرورت ہے اور نیکی کے ساتھ قرآن کریم میں ہر جگہ صبر کا مضمون بیان ہوا ہے۔ **کوئی نصیحت کارفرما نہیں ہو سکتی جب تک صبر نہ ہو**۔ اور صبر کے ساتھ نصیحت کرتے چلے جانا ہی مسلمانوں کا شعار مقرر فرمایا گیا ہے۔

پس اس پہلو کو جو میں بیان کر رہا ہوں اہمیت دیں اور بچپن ہی سے بھائی اور بہن میں، بھائی اور بھائی میں، ماں باپ اور بچوں کے درمیان ایسے نیکی کے رشتے قائم کریں جن میں مزہ پیدا ہو۔ اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک انسان اپنے بھائی کے لئے، اپنی بہن کے لئے جو بظاہر قربانی کرتا ہے اس قربانی کے نتیجے میں اس کی طرف سے مادی چیز، مادی قدر الگ ہو کر کسی دوسرے تک پہنچتی ہے۔ اگر کوئی جھپٹ کر اپنے بھائی یا بہن کی کوئی مادی چیز، میٹیریل (Material) چیز لے بھاگتا ہے تو دونوں صورتوں میں انتقال ہے مادے کا اور مادے کا انتقال ہے جو لذت پیدا کرتا ہے۔ اب یہ لذت کا فلسفہ ہے جو سمجھانا ضروری ہے جو ہمیشہ ان بچوں کے کام آئے گا۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے لذت میں بہت سی چیزیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مادہ ایک طرف سے منتقل ہو کر دوسری طرف جاتا ہے، حق ایک طرف سے منتقل ہو کے دوسری طرف جاتا ہے۔ اگر آپ مادہ حاصل کرنے والے ہوں تو ایک لذت ہے۔ اگر کسی کا حق چھیننے والے ہوں اس میں بھی ایک لذت ہے لیکن جب آپ اپنی مادی قدر کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرتے ہیں اس میں بھی ایک لذت ہے۔ اور جب آپ اپنا حق کسی کے لئے چھوڑتے ہیں تو اس میں بھی ایک لذت ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہ دوسری قسم کی لذت دائمی ہو جاتی ہے، ساری زندگی انسان کو لطف پہنچاتی رہتی ہے۔ اور پہلی قسم کی لذت ایک شر پیدا کرتی ہے جو خود اپنے ضمیر میں بھی پیدا ہوتا ہے اور پھر مزید کی طلب پیدا کر دیتی ہے اور کبھی بھی بدی کی لذت بار بار وہی بدی کرنے سے اسی طرح نہیں رہے گی بلکہ آگے بڑھے گی۔ ایک بدی کے بعد جب تک آپ دو بدیاں نہ کریں آپ کو چین نہیں آئے گا۔ جب دو بدیاں کریں گے تو تیسری بدی کی طرف آپ کا قدم اٹھے گا، چوتھی کی طرف اٹھے گا، اسی طرح ساری دنیا میں معاشرے میں اخلاقی گراوٹ پیدا ہوتی ہے اور ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ان دو چیزوں میں جو فرق ہے وہ بعض مثالوں کے ذریعے آپ کو خود سمجھنا ہے اور اپنے بچوں کو سمجھانا ہے۔ آپ ان کو یقین دلائیں کہ جو تم قدریں اپنے طور پر حاصل کرتے ہو جائز قدریں ہیں ویلیوز (Values) جن کو انگریزی میں کہا جاتا ہے، جب تم ان کو چھوڑتے ہو تو اس کے نتیجے میں تمہیں ضرور مزہ آئے گا لیکن اگر بالارادہ چھوڑو۔ اگر مجبور ہو کر چھوڑو گے تو تکلیف پہنچے گی۔

پس بالارادہ اپنی چیزوں کو دوسروں کو دینا اس لئے کہ ان پر احسان ہو اور ان کو مزہ آئے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ دینے والے کو بھی ضرور مزہ دیتی ہے اور یہ نیکی کی ایسی تعریف ہے جس میں آپ کبھی کوئی فرق نہیں دیکھیں گے۔ بدی میں یہ بات نہیں ہوتی۔ بدی میں کم سے کم بدی کرنے والا لذت محسوس بھی کرے تو جس کے خلاف کی جاتی ہے وہ محسوس نہیں کرتا۔ لیکن نیکی میں دوطرفہ مزہ ہے اور دوطرفہ مزہ بھی ایسا جو دائمی ہو جاتا ہے جو کہ ہمیشہ باقی رہ جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص احسان کا مزہ اٹھانے لگ جائے تو وہ اور زیادہ احسان کرے گا یعنی اور زیادہ اپنی مرضی سے اپنے حقوق دوسروں کی طرف منتقل کرے گا یہاں تک کہ بظاہر انبیاء کے مرتبے پر پہنچتے پہنچتے انسان اپنے سارے حقوق سوسائٹی کی طرف منتقل کر بیٹھتا ہے، اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس شخص کی زندگی بڑی بدمزہ ہوگئی ہے۔ حالانکہ جو لطف احسان کا انبیاء کو محسوس ہوتا ہے دوسرا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

پس یہ خیال کر لینا کہ نبی احسان کر کے تکلیف اٹھاتے ہیں بالکل غلط ہے۔ وہ تکلیف اٹھا کے بھی احسان کرتے ہیں۔ یہ فرق ہے جو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہمیں دائمی سبق کے طور پر ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نیکی کرنے پر مجبور تھے یعنی اپنی فطرت کی وجہ سے نیکی کی قدر کو انہوں نے محسوس فرمایا اور اتنا محسوس کیا کہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ پس عادت ایک ایسی چیز ہے جو دونوں جگہ ہے۔ چور بھی عادی ہو جاتا ہے، قاتل بھی عادی ہو جاتا ہے، سمگلنگ کرنے والا بھی عادی ہو جاتا ہے، گھروں میں ڈاکے ڈالنے والا بھی عادی ہو جاتا ہے مگر اس کی عادت لازماً دوسروں کو نقصان پہنچاتے پہنچاتے اس کی اپنی ذات میں ایک نقصان کے طور پر جمع ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ وہ دن بدن خود اپنی نظر میں بھی گرتا ہے، سوسائٹی کی نظر میں بھی گرتا ہے مزید بدی کے بغیر اس کو مزہ نہیں آسکتا۔ بدی سے جو مزہ ملتا ہے وہ دائمی نہیں ہوتا چند دن میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کی روح بھی ان باتوں سے متاثر ہوتی ہے اور جس کو ہم جہنم کہتے ہیں وہ اسی چیز کا دوسرا نام ہے۔ ہر انسان جو بدیوں میں ملوث ہو اپنی روح کے لئے ایک جہنم پیدا کر رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی فلسفے کو یعنی سارا اسی فلسفے پر مبنی تو کتاب نہیں مگر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' میں اسی فلسفے کو، اس کتاب کے مضامین کے ایک حصے کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ پڑھیں بھی تو پوری طرح سمجھتے نہیں مگر امر واقعہ یہی ہے کہ آج اس دنیا میں ہم آئندہ دنیا کے لئے جنت اور جہنم بنا رہے ہیں۔ اور بچوں کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ تم جو کچھ بھی کرو گے اس سے کچھ فائدہ بھی اٹھاؤ گے اور کچھ نقصان بھی۔ لیکن جو نقصان تم خود کسی اعلیٰ قدر کی خاطر اٹھاتے ہو اس نقصان میں مزہ ہے اور اس نقصان میں باقی رہنے والا مزہ ہے۔

پس آپ اپنے بچپن کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں۔ آپ کو بچپن کی وہی باتیں سب سے زیادہ پیاری لگیں گی جن میں آپ نے کچھ نہ کچھ ایسی بات کی تھی جس سے ماں خوش ہوگئی، باپ خوش ہو گیا، بہن خوش ہوگئی یا کوئی غریب ہمسایہ خوش ہو گیا۔ بسا اوقات ایک چھوٹا سا فعل ہے ایک غریب بھوکے کو روٹی کھلانا۔ ایک بچہ جب روٹی کھلاتا ہے تو پھر دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کے چہرے پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ جب اس کی تکلیف مٹ رہی ہوتی ہے اس کے چہرے پہ ایک سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے تو ویسا ہی سکون بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، ویسا ہی اطمینان بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، بچے کے دل میں پیدا ہو رہا ہوتا ہے۔ جس پر احسان ہے وہ اس بات کو بھول بھی سکتا ہے روٹی کھائی، پیٹ بھرا اور بھول گیا لیکن جس نے کسی کا پیٹ بھر کر اس کے مزے کو دیکھا ہو وہ اس چیز کو کبھی نہیں بھول سکتا، ساری عمر کے لئے ہمیشہ اس کا یہ ایک فعل اس کے لئے مزید نیکیاں پیدا کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔

پس اس **معاشرے میں جہاں ماحول نیکیوں کے مخالف ہے جہاں بدیوں کو تقویت دینے والا ہے وہاں بچپن ہی سے نیکیوں سے ذاتی لگاؤ پیدا کرنا اور اس کے لئے روزمرہ کے مواقع سے فائدہ اٹھانا بہت ضروری ہے**۔ فائدہ اٹھانا اس لئے کہ اگر آپ محض تلقین کریں گے تو یہ تلقین ضروری نہیں کہ بچے پر نیک اثر ڈالے۔ بچوں سے کچھ کام کروا کے دیکھیں، کچھ نیکی اس سے ایسی صادر ہو جس میں آپ اس کے مددگار ہوں پھر دیکھیں کہ اس کے دل پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے ہمیں بچپن میں چندہ دینے کی عادت ماں نے ڈالی۔ کچھ پیسے وہ دیا کرتی تھیں اور پھر کہتی تھیں دوسرے ہاتھ سے کہ اللہ میاں کے لئے واپس کر دو۔ چونکہ اس میں جبر کوئی نہیں تھا بلکہ ایک تحریص تھی اس لئے جب ہم واپس کرتے تھے تو مزہ آتا تھا اور دن بدن، سال بہ سال یہ احساس بڑھتا گیا کہ ہمارا بھی نام ان لوگوں میں ہے جنہوں نے دین کی خاطر کوئی قربانی کی ہے۔ اس کے بعد یہ سکھانے والا باقی رہے نہ رہے یہ نیکی ضرور باقی رہ جاتی ہے، ہو نہیں سکتا کہ زندگی بھر ساتھ نہ دے۔ پس **نیکی کا مزہ صرف سمجھانے سے نہیں آئے گا، نیکی کا مزہ نیکی کروانے سے آئے گا اور یہ وہ چیز ہے جس کی اس معاشرے میں شدید ضرورت ہے**۔

دوسری بات یعنی اور بہت سی باتیں ہیں جو میں نے نوٹس کے طور پر اپنے سامنے رکھی ہیں لیکن یہ ایک ایک بات بھی اگر پھیلائی جائے تو بہت پھیل سکتی ہے، **دوسری بات جو سمجھانے کی ضرورت ہے وہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہے**۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا جب بچے باہر

سکولوں میں جاتے ہیں تو بعض لوگ ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں ان کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن ان میں اگر خود اعتمادی ہو اور ماں باپ ان کو پہلے سے سمجھا چکے ہوں کہ تمہاری نیکیوں پر سوسائٹی تمسخر اڑائے گی، تمہیں ذلیل نظروں سے دیکھے گی لیکن تم نے سر اٹھا کر چلنا ہے۔ اگر کہیں سر اٹھانا جائز ہے تو اس موقع پر سر اٹھانا جائز ہے اور لازم ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بتائیں کہ تم کوڑی کی بھی پرواہ نہ کرو جو چاہے دنیا کہتی پھرے جس طرح چاہے دیکھے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا کردار تب بنے گا کہ تم جن باتوں کو اچھا سمجھتے ہو انہیں کرنے کی جرأت رکھتے ہو۔

چنانچہ بہت سی احمدی بچیوں کی تربیت میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مجھے اسی اصول سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ملی۔ کئی ایسی بچیاں ہیں انگلستان میں جو پردے کی عمر کو پہنچیں لیکن سوسائٹی سے متاثر ہو کر پردے کے لئے تیار نہیں تھیں اور ماں باپ کے سامنے بھی انہوں نے کہا نہیں، ہم نہیں یہ کام کر سکتیں۔ جب ماں باپ نے مجھے بتایا میں نے ان کو بلایا اور پیار سے سمجھایا۔ میں نے کہا تم یہ دیکھو کہ تم پردہ کس کے لئے کر رہی ہو اللہ کے لئے یا ماں باپ کے لئے یا اور کوئی پیش نظر بات ہے۔ اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ قربانی چاہتا ہے کہ تم اپنے حسن کو، اپنی دلآویزی کو چھپاؤ اور معاشرے کی بے راہرو آنکھوں کو اجازت نہ دو کہ وہ تم پر حملہ کریں یا حرص کے ساتھ تمہیں دیکھیں تو پھر یہ ایک اچھی بات ہے۔ اگر تم اچھی بات سے آج شرما گئیں تو ہمیشہ ساری اچھی باتوں سے شرماتی رہو گی۔ دل میں یہ خیال کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم نے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں سوسائٹی کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں کیونکہ وہ بد ہے اور تم اچھی ہو تم نے ان کو سبق دینا ہے۔ چنانچہ جب ان باتوں کو خود اچھی طرح وہ سمجھ گئیں تو پھر میں نے ان کو دیکھا پردے میں ملبوس اور میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک کے سامان ہوئے اور ساری عمر کے لئے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان ہوئے۔ اتنا لطف آتا تھا ان کو دیکھ کر پھر اور وہ بڑے مزے سے میری طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں ہلکا سا، یہ بتا جاتی تھیں کہ ہاں ہم خوش ہیں۔ ہمیں اب پتہ چلا ہے کہ ہم کیا چیز ہیں۔ پس **نیکی پر خود اعتمادی یہ بہت ضروری ہے اور اس خود اعتمادی کے فقدان کے نتیجے میں نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔** پس جن بچوں کو آپ نے سوسائٹی میں بھیجنا ہے ان کو بتائیں کہ تمہاری عزت اور تمہاری اعلیٰ اقدار سچائی سے وابستہ ہیں۔ تمہاری عزت اور اعلیٰ اقدار گندگیوں سے مونہہ موڑنے سے وابستہ ہیں۔ سوسائٹی ایک طرف مونہہ کر کے جاتی ہے تم دوسری طرف مونہہ کر کے چلو اور اس میں تمہارا سر فخر سے اٹھنا چاہئے، ذلت کا احساس نہیں ہونا چاہئے۔ اگر نیکی کے ساتھ ذلت کا احساس ہو تو یہ نیکی کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ پس اکثر خرابی یہاں بچوں میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ان کو گھر میں نیکی میں عزت کا احساس نہیں بتایا جاتا۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ تم میں تو اس سے خود اعتمادی پیدا ہونی چاہئے، تم اونچے ہو تم گھٹیا لوگوں سے شرماتے ہو۔ یہ تم کیا چیز ہو، کیا کبھی جانوروں سے بھی تم شرمائے ہو کہ جانور ہر قسم کی بے ہودہ حرکتیں کر رہے ہیں اور تم انسانوں کی طرح چل رہے ہو۔ تمہیں جانوروں پر رحم تو آ سکتا ہے مگر جانوروں سے شرما نہیں سکتے۔ پس انسانی ماحول میں بھی جانور بس رہے ہیں اور جانور وہ جو مادر پدر آزاد ہیں، جانوروں سے بھی بے حیائیوں میں آگے بڑھ گئے ہیں ان کے سامنے تمہیں سر اٹھا کر چلنا ہے۔

یہ وہ تکبر ہے جس میں حقیقت میں بنیادی طور پر انکساری ہے کیونکہ خدا کی خاطر آپ اپنا سر اٹھا رہے ہیں اور ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ سے بھی ثابت ہے کہ بعض دفعہ نیکیوں کا اثر ڈالنے کے لئے سر اٹھانا ہی نیکی بن جایا کرتا ہے۔ **اپنی اعلیٰ اقدار پر سر اٹھا کر چلیں کوڑی کی بھی پرواہ نہ کریں کہ کوئی آپ کو کس طرح دیکھتا ہے اور کیا سمجھ رہا ہے یہ احساسِ خود اعتمادی گھر میں بچپن میں پیدا کرنا ضروری ہے۔** اگر آپ نے نہ کیا تو پھر بارہ، چودہ، پندرہ سال کے بعد بالکل آپ کا بس نہیں رہے گا۔ آپ کو اختیار نہیں رہے گا۔ پھر دنیا کی لذتیں ان کو اس عمر میں اپنی طرف اس طرح کھینچیں گی کہ ان کے نزدیک خود اعتمادی کا کوئی سوال باقی نہیں رہے گا۔

پس بہت سے ایسے خاندان میں نے دیکھے جن کے بچے ماں باپ سے ڈرے ہوئے تھے اور نظر آ رہا تھا کہ ماں باپ بڑے جبار ہیں اور ان کی مجال نہیں کہ وہ ان سے ہٹ کر چلیں اور مجھے ان کے متعلق تشویش پیدا ہوتی تھی، رحم آتا تھا کہ کیسی تربیت ہے کہ جب بھی یہ آزاد ہوں گے ان ماں باپ کی کوڑی کی بات بھی نہیں سنیں گے۔ پس خاص طور پر ایفرو امریکن بچوں کے لئے میں یہ نصیحت کر رہا ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے ایفرو امریکن ماں باپ جو نیک اور مخلص ہیں وہ اس طرح کرخت بھی ہیں اور اپنے گھر میں اپنی سلطنت قائم کرنے میں بڑے جابر ہیں۔ ان کے بچوں کو میں نے دیکھا ہے بہت سر جھکا کر چل رہے ہیں، مجال ہے جو ادھر سے ادھر ہو جائیں۔ کئی دفعہ غلطی سے انہوں نے بایاں ہاتھ کر دیا تو سختی سے ڈانٹ پڑی خبردار! دایاں ہاتھ آگے کرو۔ جزاکم اللہ اس طرح کہو، فلاں بات یوں کہو اور ماں باپ سمجھ رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے بچوں کی کیسی اچھی تربیت کی ہے۔ ان کو یہ نہیں پتہ کہ کل بچے مڑ کر دیکھیں گے اور کہیں گے اب جو کرنا ہے کر لو اب ہم تم سے نکل کے آزاد ہو چکے ہیں۔

تو نیکی کی لذت حاصل کرنا اور لذت حاصل کرنا سکھانا یہ ماں باپ کا کام ہے۔ نیکی سے وابستگی لذت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ کوئی انسان سر پھرا تو نہیں ہے کہ بے وجہ لذتوں سے مونہہ موڑ لے جب تک بہتر اور اعلیٰ لذتیں

نصیب نہ ہو-اس لئے خداتعالیٰ کا یہ ایک دائمی قانون ہے جس کو آپ کو پیش نظر رکھنا ہے- ﴿ادفع بالتی ھی احسن السّیئۃ﴾ سارے قرآن میں یہ مضمون بیان ہوا ہے- برائی کے خلاف جہاد کی اجازت نہیں جب تک کہ اس سے بہتر چیز آپ پیش نہیں کر سکتے - پس احسن کے ذریعے بدی کو دور کریں- اچھی چیز پاس ہے تو وہ دیں تا کہ بدی اس سے نکل کر دور بھاگے اور اچھی چیز میں خوبی یہ ہوا کرتی ہے یعنی اچھی چیز کا اچھا دیکھنا ضروری ہے یہاں جا کر فرق پڑ جاتا ہے-

جب آپ کے بچے اچھی چیز کو اچھا نہیں دیکھتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ سے ڈرے ہوئے ہیں- وہ سمجھتے ہیں ماں باپ کا خیال ہے کہ اچھی ہے جب تک ہم ان کے قبضہ قدرت میں ہیں ہم بھی اچھا کہیں گے اس کو اور جب نکلیں گے تو پھر جو ہماری مرضی کریں گے- لیکن اچھے کو اچھا دکھانے کے لئے وہ تجربے ضروری ہیں جو میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں- اچھی چیزوں کی لذت دل میں پیدا کریں- اور میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ صرف بحیثیت خلیفہ باقی بچوں کی تربیت میں اس سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے بچوں کی تربیت میں ہمیشہ اس سے کام لیا ہے اور اللہ کے فضل کے ساتھ جب ان کو نیکیوں سے محبت پیدا ہوئی تو اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کہاں ہوں- اپنے گھروں کی تنہائیوں میں، اپنے بچوں میں جہاں بھی وہ ہیں ان کو بچپن ہی سے نیکیوں سے پیار ہو چکا ہے اور وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے- **پس آپ اپنے بچوں کو بچپن ھی میں وہ اھمیت دیں جس کے وہ مستحق ھیں ، ان سے بڑوں کی طرح باتیں کریں ان کو سمجھائیں اور ساتھ لے کر چلیں-**

اس ضمن میں خود اعتمادی کے علاوہ بعض اور باتیں ہیں جواب بیان کرنا ضروری ہیں- مثلاً **عبادت کا فلسفہ بچپن ھی سے ان کو سمجھانا ضروری ھے-** میں نے یہ کہا کہ جب آپ ان کے دل میں نیکی کا پیار پیدا کر دیں، دل میں یقین بھر دیں کہ ہاں یہ اچھی چیز ہے وہ اس سے چمٹے رہیں گے مگر یہ کہنا اس تحدی کے ساتھ جائز نہیں کیونکہ بہت سے ایسے بچے بھی میں نے دیکھے ہیں جن کے ماں باپ نے پوری محنتیں کیں لیکن ماں باپ دنیا سے رخصت ہوئے پھر وہ اس دنیا میں پڑ کر کہیں سے کہیں سرکتے ہوئے چلے گئے- ایک چیز ہے جو ہمیشہ ان کی محافظ رہ سکتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے- اور **عبادت کے فلسفے میں خدا کی محبت کا فلسفہ داخل کرنا لازم ھے کیونکہ اس کے بغیر حقیقت میں عبادت کے کوئی بھی معنے نہیں-**

پس بچپن ہی سے نیکیوں سے پیار کے ساتھ ساتھ اس وجود سے پیار پیدا کرنا ضروری ہے جو نیکیاں سکھانے والا ہے اور اس میں سب سے اہم انسانوں میں آنحضرت ﷺ ہیں- اور پھر اس کے بعد عبادت کا فلسفہ جو آنحضور ﷺ کے حوالے ہی سے بیان کیا جائے گا- اور اس بات کو اگر بچے سمجھ لیں کہ عبادت کیوں ضروری ہے تو پھر وہ خود ہی عبادت کریں گے- اور اگر وہ خود عبادت کرنے لگیں گے تو پھر ان کی عبادت کو پھل لگیں گے- اگر آپ کے کہنے پر عبادت کر رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ احمدیوں میں عبادت کرنی ضروری ہے تو وہ عبادت ضروری نہیں کہ ہمیشہ ان کا ساتھ دے- پس عبادت کے تعلق میں بعض اہم امور ہیں جو آپ کو پیش نظر رکھنے ضروری ہیں-

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے، انبیاء عبادت کیوں کرتے ہیں اس کا فلسفہ آپ کو سمجھایا جائے- بعض بچے کہتے ہیں صبح ہم سے اٹھا نہیں جاتا، کیوں اٹھیں- ایک دو نمازیں Miss ہو گئیں تو کیا فرق پڑ گیا بعض کہتے ہیں چار پانچ Miss ہو گئیں تو کیا فرق پڑا، ہم اسی طرح ٹھیک ٹھاک ہیں- جب تک آپ عبادت کا فلسفہ ان کو نہیں سمجھائیں گے ان کو یہ فرق سمجھ نہیں آئے گی- ابھی ایک ملاقات میں یعنی ابھی سے مراد ہے کچھ دن پہلے، ایک بچے نے کہا کہ صبح کی نماز میں اس وقت اٹھنا کیوں ضروری ہے اور اگر میں صبح کی نماز نہ بھی پڑھوں تو کیا فرق پڑتا ہے- میں نے کہا آپ مجھے یہ بتائیں آپ ناشتہ کرتے ہیں- کہ ہاں میں کرتا ہوں- تمہیں اچھا لگتا ہے؟ اس کو اتفاق سے اچھا لگتا تھا بعض بچوں کو نہیں لگتا، کہ ہاں مجھے بہت اچھا لگتا ہے- میں نے کہا نہ کیا کرو کیا فرق پڑتا ہے؟ تو اس کو سمجھ آئی ہاں فرق پڑتا ہے- مگر وہ فرق ہے کیا، یہ جب تک نہ سمجھایا جائے اس وقت تک محض فلسفیانہ جواب سے اگر عقل مطمئن بھی ہو تو پوری طرح دل مطمئن نہیں ہوا کرتا- ناشتہ اچھا لگتا ہے اس لئے کہ اس کو کھانے سے مزہ آتا ہے- اگر آپ کہہ دیں کہ عبادت بھی اور صبح کی نماز بھی ایک ناشتہ ہے تو مان تو جائے گا مگر اس نماز میں اگر مزہ ہی نہ آئے تو اس کو کیا پتہ کہ یہ ناشتہ تھا بھی کہ نہیں اس لئے عبادت میں مزہ پیدا کرنا یہ آغاز ہی سے ضروری ہے- اور اس سلسلے میں بہت لمبی باتیں ہیں جو بیان کی جا سکتی ہیں مگر وقت کی رعایت کے پیش نظر میں مجبور ہوں کہ اس بات کو ذرا مختصر کروں-

امر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنی عبادت پر غور کیا کہ آپ کو کیوں مزہ آیا- خدا سے تعلق کی جھرجھری جب تک دل میں پیدا نہ ہو اس وقت تک عبادت میں مزہ ہی نہیں آ سکتا اور اس تعلق کو پیدا کرنے کے لئے احسان کرنے والے اور احسان مند کے درمیان جو رشتہ ہے اس کو کھولنا ضروری ہے- چنانچہ بچوں کو یہ سمجھانا پڑے گا تمہیں ناشتہ پسند ہے مگر پتہ ہے کہ ناشتہ پیدا کیسے ہوا- ایک ایسا قادر مطلق ہے جو رب العالمین ہے اس نے تمام جہانوں کی ربوبیت کی ذمہ داری آپ اٹھالی تھی- تمہیں تو خدا نے اتنے اچھے اچھے کھانے، اتنے اچھے اچھے رزق عطا فرمائے ہیں مگر ساری دنیا پر نظر ڈال کے دیکھو، سمندروں کی گہرائیوں میں بھی رزق مقرر ہے- اڑنے والے پرندوں کے لئے آسمان کی

بلندیوں تک جو جاتے ہیں ان کے لئے بھی رزق مقرر ہے۔کوئی کائنات میں ایسا جاندار نہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رزق کے سامان نہ فرمائے ہوں اور اس پر اگر آپ غور کریں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ان کو سمجھانا پڑتا ہے۔

چنانچہ اپنے گھر میں بچوں کو بعض دفعہ میں سمجھاتا ہوں کہ باہر نکل کے دیکھو پرندے صبح اٹھتے ہیں ان کو کوئی پتہ نہیں کہ کہاں سے کیا ملے گا۔کوے اٹھتے ہیں اور چہچہانے والے چھوٹے چھوٹے پرندے صبح کے وقت بیدار ہوجاتے ہیں۔پانی پہ بیٹھنے والے پرندے ہیں ان کو پتہ نہیں مچھلی کہاں ہے۔ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ رزق کے سامان فرمائے ہیں بلکہ سامان حاصل کرنے کے ذریعے بھی بیان فرمائے ہیں،ان کے اندر ودیعت کردیئے ہیں۔چنانچہ ایک دفعہ ایک جھیل پہ Seagulls اڑ کے اتر رہی تھیں بار بار ایک جگہ، میں نے ساتھ مسافروں کو سمجھایا۔میں نے کہا دیکھو یہ Seagulls جو دیکھ رہی ہیں وہ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا۔تم ڈھونڈ رہے ہو،مچھلیوں کے لئے راڈیں پکڑی ہوئی ہیں اپنی،کہ کہاں مچھلیاں ہیں اور کچھ پتہ نہیں۔لیکن ان کو خدا تعالیٰ نے نہ صرف وہ آنکھ دی ہے جو پہچانتی ہیں مچھلیوں کو بلکہ جب ان پر گرتی ہیں تو عین نشانے پر گرتی ہیں اور دیکھو جو بھی نیچے جاتی ہے کچھ اٹھا کر اوپر نکلتی ہے۔کیسا کیسا قدرت نے رزق کا سامان مقرر فرمایا ہے۔تم بھول جاتے ہو اس بات کو کہ جو ناشتہ تم کر رہے ہو،جو کھانا تم کھا رہے ہو اس کے لئے خدا نے قانون قدرت میں کتنی دیر سے سامان بنا رکھے ہیں۔تو وہ ماں باپ جو تمہیں کوئی اچھا ناشتہ دیتے ہیں یا کوئی دوست دعوت کرتے ہیں کسی کو چائنیز کھانا پسند ہے تو ہوٹل میں لے جاتے ہیں دیکھو کتنا دل چاہتا ہے ان کا شکریہ ادا کرنے کو اور جتنا شکریہ ادا کرتے ہو تمہیں بھی مزہ آتا ہے،جس کا شکریہ ادا ہو رہا ہے وہ بھول جاتا ہے کہ اس نے خرچ کیا تھا اس کو خرچ میں مزہ آنے لگتا ہے تو تم نے کبھی سوچا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سارے سامان کر رکھے ہیں اور وہ نہ کرے تو کچھ بھی باقی نہ رہے۔ایک پانی پر ہی غور کر کے دیکھ لو کہ قرآن کریم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بندوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر ہم پانی کو گہرائی میں لے جائیں تو کون ہے جو اسے نکال سکے۔امر واقعہ یہ ہے کہ جب خشک موسم آتے ہیں تو پانی نیچے اترنے لگتے ہیں جب نیچے اترنے لگتا ہے تو کوئی دنیا کی طاقت بڑی سے بڑی طاقت بھی ہوا تنا خرچ کر ہی نہیں سکتی کہ اسی پانی کو اٹھا کر اس سے اپنے رزق کے سامان بھی پیدا کرے اور پیاس بھی بجھائے،وہ اترتے اترتے اس مقام تک پہنچتا ہے کہ اس کو اوپر آنا بہت مہنگا ہوجاتا ہے اور پھر غائب بھی ہوجایا کرتا ہے۔تو یہ تفصیل ہے جو رزق سے تعلق رکھتی ہے۔اس ایک ناشتے کے حوالے سے آپ رفتہ رفتہ بچوں کو ایسی باتیں بتا سکتے ہیں جو قانون قدرت میں ہر جگہ دکھائی دیتی ہیں ان کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان کو سمجھانا ضروری ہے۔وہ سمجھیں اور ان کو بتائیں کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے سارے سامان کئے ہوئے ہیں اور خود غائب ہو گیا ہے۔تم اسے ڈھونڈ و اپنے تصور میں اور اس کا شکریہ ادا کرو پھر تمہیں لذت آئے گی کہ شکریہ ہوتا کیا ہے اور جب تم شکریہ ادا کرو گے تو وہ خدا تم پر اور زیادہ مہربان ہوگا۔

یہ عبادت کا فلسفہ سکھانے کے لئے ابتدائی چیزیں ہیں۔اس لئے بچے سے کہا جائے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو اگر تمہیں ساری نماز کا ترجمہ نہیں بھی آتا تو اس دن کی اچھی باتوں پر اللہ کا شکریہ ادا کرلیا کرو کہ اے اللہ تو نے آج میرے لئے یہ کیا،مجھے بہت مزہ آیا۔میں نے آج ٹھنڈا پانی پیا،میں نے کوکا کولا پی اور میں نے فلاں ہمبر گر کھایا جو بھی کھایا کرتے ہیں لوگ یہاں،تو اس وقت سوچا تو کرو کہ اصل دینے والا کون ہے۔اگر اس طرح بعض لذتوں کا تعلق دینے والے ہاتھ کے ساتھ قائم کردیا جائے تو یہ عبادت کا پہلا فلسفہ ہے جو بچے کے دل میں جانشین ہوگا اور پھر اسے ایک اور ہاتھ ہے جو اٹھالے گا جس کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ بچہ جب پیار سے اپنے اللہ سے کوئی بات کرتا ہے تو میرا تجربہ ہے کہ اللہ ضرور اس کا جواب دیتا ہے اور ایک بچے کے دل میں اگر خدا کے لئے کوئی شکر پیدا ہو تو اللہ اس کے دس شکر ادا کرتا ہے اور ان معنوں میں وہ شکور ہے۔

اب حیرت کی بات ہے کہ اللہ تو ہر احسان کرنے والا اور ایسا وجود ہے جس کو کسی کے شکر کی ضرورت کوئی نہیں کوئی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔لیکن وہ شکریہ کس بات کا ادا کرتا ہے،شکر کا شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ چیز اس نے انسانی فطرت میں بھی رکھ دی ہے۔پس بچوں کو سمجھانا ضروری ہے کہ دیکھو ایک بچہ تم سے کوئی اچھا سلوک کرے رستہ چلنے والا تمہیں ایک لفٹ ہی دے دیتا ہے تو کتنا تمہارے دل میں شکریہ اٹھتا ہے اور جب تم شکریہ کرتے ہو تو وہ بھی آگے تمہارے شکریے کا شکریہ ادا کرنے لگ جاتا ہے۔کہتا ہے چھوٹی سی بات تھی کچھ بھی نہیں تھا آپ نے تو بہت ہی محسوس کیا ہے۔تو شکر کرنے والا حقیقت میں ایک بات کا شکر ادا کر رہا ہوتا ہے اور جو اس کے جواب میں شکریہ ادا کرتا ہے وہ صرف شکر کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

تو شکر کو طاقت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام قائم فرمایا ہے کہ بندہ ایک شکر کرتا ہے اللہ دس شکر کرتا ہے اور ہر شکر کے جواب میں اس پر اور زیادہ احسان فرماتا ہے۔اس طرح بچے کو اگر آپ سمجھائیں تو وہ خود دیکھے گا اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ واقعۃً ایسا ہوتا ہے،واقعۃً اللہ تعالیٰ ہمارے ادنیٰ ادنیٰ شکر کو قبول فرماتے ہوئے اتنا شکر ادا کرتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ایسے موقع پر لازم ہے کہ روح پگھلے خدا کے حضور اور ایسے موقع پر لازم ہے کہ روح خدا کے حضور سجدہ ریز ہو اور یہ باتیں وہ ہیں جو روزمرہ کے تجربے میں آئی ہوئی باتیں ہیں،کوئی فلسفہ ایسا نہیں جو آسمان پر اڑ رہا ہے۔یہ فلسفہ وہ ہے جو روزمرہ کی زندگی میں انسانی تعلقات میں بھی ہم دیکھ رہے ہیں اور بندے اور خدا کے تعلق میں بھی یہی دکھائی دیتا ہے۔تو محض یہ کہہ دینا کہ جی پانچ وقت نمازیں ضروری ہیں تم نے لازماً پڑھنی ہیں یہ اور بات ہے اور ان نمازوں سے محبت پیدا کرنا اور نمازوں کا فلسفہ سکھانا

یہاں تک کہ وہ دل کو متحرک کر دے، دل میں ایک تموج پیدا کر دے یہ وہ چیز ہے جو بچوں کی آئندہ نمازوں کی حفاظت کرے گی۔ اور ایسی حفاظت کرے گی کہ ماں باپ بچپن سے ہی ان کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں پھر وہ خدا کے حوالے ہوں گے، اللہ ان کا ہاتھ پکڑ لے گا اور ماں باپ کی آرزؤں کو ایسے وقت میں پورا کرے گا جب ماں باپ موجود ہی نہیں ہیں۔

پس اگر اپنے بچوں کے دل میں خدا کی محبت عبادت کے حوالے سے پیدا کریں تو یہ نظام وہ ہے جو بچوں کی ہر حال میں ہر جگہ حفاظت فرمائے گا۔ ایسے اعلیٰ کردار کے بچے جب پیدا ہوں پھر وہ سوسائٹی میں جائیں تو ان کو اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں ہوگی یعنی اس پہلو سے تو پرواہ ہوگی کہ یہ بھی اچھے ہو جائیں، اس پہلو سے پرواہ ہوگی کہ ان کو بھی میں بتاؤں کہ خدا کی محبت میں کیا مزے ہیں نیکیوں میں کیا لذات ہیں۔ مگر اس پہلو سے کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ ان کی نیکیوں کو بدی کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ آپ ہی کے امریکہ میں ایک دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ بعض احمدی بچوں نے لڑکوں نے یا بعض احمدی لڑکیوں نے خطوں کے ذریعے مجھ سے سوال کئے اس طرح ہمارے لئے مسئلہ درپیش ہے بتائیں ہم کیا کریں۔ ان کو میں نے یہ تفصیل سے تو نہیں سمجھایا مگر کسی حد تک مختصر مرکزی بات سمجھا دی کہ آپ اگر ایک بات کو نیکی سمجھ رہے ہیں تو اس کے اوپر ذاتی فخر محسوس کریں اور سوسائٹی کی کوئی پرواہ نہ کریں پھر دیکھیں کہ آپ کے دل میں کیا کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور بلا استثناء ان سب نے مجھے یہی بتایا کسی نے جلدی کسی نے دیر کے بعد کہ اب تو ہم مؤثر ہونے لگ گئے ہیں اور سوسائٹی متاثر ہو رہی ہے اب لوگ قریب آ کر ہمارے انداز سیکھ رہے ہیں۔

اس ضمن میں ایک اور بات جو آپ کو سمجھانے والی ہے وہ یہ ہے کہ بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ معمولی نہ سمجھا کریں۔ میں نے کئی بچوں کو دیکھا ہے ان کے گلے میں تعویز سے لٹکے ہوئے ہیں، کسی کے کان میں بندا پڑا ہوا ہے، کسی کے بالوں کا حلیہ بگڑا ہوا ہے قریب سے رگڑے گئے ہیں بال اور اوپر سے بڑے بڑے ہیں، ٹوپی پہنیں تو لگتا ہے ٹنڈ کروائی ہوئی ہے ٹوپی اتاریں تو بڑے بڑے بال دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو سمجھانا چاہئے کہ اگر تم کچھ عرصے پہلے جب یہ فیشن نہیں تھا کسی دکان میں جاتے وہ یہ حالت تمہاری بنا دیتا تو نہ صرف یہ کہ تم نے پیسے نہیں دینے تھے اس سے بڑی سخت لڑائی کرنی تھی کہ او بدبخت تو نے کیا حال بنا دیا ہے یہ کوئی شکل ہے میری دیکھنے والی۔ اب اسی شکل کو تم لئے پھرتے ہو سوسائٹی میں، اس لئے نہیں کہ تمہیں پسند ہے اس لئے کہ تم پیچھے چلنے لگ گئے ہو، تم غلام ہو گئے ہو اور غلام کی کوئی عزت نفس نہیں ہوا کرتی۔ ان کو یہ سمجھائیں کہ کیا ہو گیا ہے۔ تم فیشن کی پیروی کرنے والے نہ بنو فیشن بنانے والے بن جاؤ۔ وہ بنو جس کے پیچھے لوگ چلا کرتے ہیں۔ تو اگر بچے سمجھ جائیں بات کو تو ان کے اندر تبدیلی ہوتی ہے۔ انگلستان میں بارہا ایسا مجھے تجربہ ہوا ہے کئی بڑے بڑے چھتوں والے میرے پاس آئے بعضوں نے گتیں بنائیں ہوئی تھیں اور میں نے کہا یہ تم نے کیا کیا ہوا ہے۔ تو ماں باپ نے کہا کہ یہ بات نہیں مانتا آپ چھوڑ دیں اس کو۔ میں نے کہا کیوں نہیں مانتا میں ابھی سمجھاتا ہوں اس کو اور اگلی دفعہ آئے بالکل نارمل، گتیں کاٹی ہوئی، بعضوں نے میرے سامنے ہی اپنے تعویذ نوچ پھینکے کہ آج کے بعد ہم نہیں پہنیں گے یہ ذلیل چیز ہے۔ تو سمجھانے سے انسان اپنے اندر تبدیلی پیدا کیا کرتا ہے اور سمجھانے سے اندر کا انسان بدلتا ہے۔ جب تک آپ اندر کے انسان کو نہیں بدلیں گے بیرونی انسان بدلنے سے کیا حاصل ہوگا۔

پس وہ سوسائٹی جو مخالفانہ اثر رکھنے والی سوسائٹی ہے اس نے تو ہر وقت آپ کے بچوں کو آپ سے چھیننے کی کوشش کرنی ہے۔ آپ کا جواب یہ ہونا چاہئے کہ ان کے اندر وہ دفاع پیدا کر دیں کہ سوسائٹی کو جرأت نہ ہو ان کو بدلنے کی اور وہ سوسائٹی کو بدلیں اور اپنے گردو پیش میں تبدیلیاں پیدا کریں۔ پس وہ احمدی جو نو احمدی ہیں مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اب ہم امریکہ کو کیسے بدلیں گے ان کو میں یہ جواب دے رہا ہوں کہ اسی طرح بدلیں گے جیسے ایک انسان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ساری سوسائٹی کو بدل دیا تھا۔ اور اس میں تبدیلی پیدا کرنے والی ایسی باتیں پیدا ہو چکی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری دنیا کو تبدیل کرنے کے لئے مقرر فرما دیا۔ آج وہ ہم میں نہیں مگر ان کی قوت قدسیہ ہم میں موجود ہے۔ وہی قوت قدسیہ ہے جس نے مسیح موعود کو پیدا کیا ہے، وہی قوت قدسیہ جو آج جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے نیکی کے لئے محبت کرنے والے پیدا کر رہی ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کو آج سے چودہ سو سال پہلے ساری دنیا کو بدلنے کے لئے اگر پیدا کیا جا سکتا تھا تو آخر کیوں پیدا کیا گیا تھا اس لئے کہ آپؐ نے اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کر لی تھی جو ماحول کو بدلا کرتی ہے۔ آپ ایک ذرہ بھی ماحول سے متاثر ہونے والے نہیں رہے۔ پس اپنے اندر وہ انسان پیدا کریں اور اپنے بچوں میں وہ انسان پیدا کریں کہ متاثر ہونے کی بجائے مؤثر ہو جائے اور یہی خاتم کا دوسرا نام ہے۔ بعض لوگ سمجھتے نہیں کہ خاتمیت کیا چیز ہے تو آنکھیں بند کر کے بس خاتمیت کا لفظ اٹھائے چلے جاتے ہیں کہ اب نبی کوئی نہیں، نبی کوئی نہیں۔ خاتمیت تو ایک ایسی مہر ہے جو محمد رسول اللہ کے ہر غلام میں لازماً پیدا ہونی چاہئے۔ خاتمیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری مہر دوسرے پر اثر انداز ہو جیسے تم ہو کم سے کم ویسا تو بن سکے اور اسی میں ہمارے لئے ایک خوش خبری بھی ہے اور ایک خطرے کا الارم بھی ہے۔

آنے والے بہت سے آ رہے ہیں اور مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب امریکہ میں بھی تبلیغ تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ابھی اس میں بظاہر اتنی تیزی پیدا نہیں ہوئی جتنی میں توقع رکھتا ہوں لیکن ملاقاتوں میں میں نے ایسے مخلص نئے آنے والے دیکھے ہیں اور نئی آنے والیاں دیکھی ہیں جن کے متعلق بعض دفعہ میں سمجھتا تھا کہ پیدائشی احمدی ہیں اور جب پوچھا گیا تو کسی نے کہا میں چھ مہینے پہلے ہوا تھا یا سال پہلے احمدی ہوئی تھی۔ بہت نمایاں پاکیزہ تبدیلیاں ہیں۔ لیکن اگر پرانے احمدیوں میں ان کے اندر وہ تبدیلیاں پیدا نہ ہوئیں تو یہ لوگ پھر زیادہ دیر آپ کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اور ہر وہ شخص جو کسی اور میں پاک تبدیلی پیدا کرتا ہے وہ ایک مہر کا مقام رکھتا ہے، وہ اپنی مہر

دوسرے پر چسپاں کیا کرتا ہے اور اکثر اس کی بدیاں دوسرے میں منتقل ہو جایا کرتی ہیں۔

پس اس پہلو سے **اپنے بچوں کی بھی حفاظت کریں ان کو چھوٹے چھوٹے خاتم بنالیں جو آنحضرت ﷺ کی خوبیوں کو دوسروں میں رائج کرنے کی طاقت رکھیں۔** اگر مہر پر دوسری مہر لگ جائے اور وہ مہر مٹ جائے تو اس کو مہر کہا ہی نہیں جاتا۔ پس آپ وہ مہر بنیں جو غیر اللہ کا اثر قبول نہ کرے ورنہ آپ کے نقوش مٹ جائیں گے۔ آپ اپنی مہر کو جب جس پہ ثبت کریں گے جو آپ سمجھ رہے ہیں وہ اس پر ثبت نہیں کرے گی کیونکہ دنیا نے اس کے نقوش بدل دیئے ہوں گے۔ پس سمندر کی لہروں کی طرح جو ریت پر کچھ نقشے بناتی ہیں اپنے نقشے ایسے نہ بنائیں کہ ہر اٹھنے والی لہر اس نقشے کو پھر بدل جائے۔ آج کی لہروں نے کچھ اور نقشے کھینچے ہیں کل کی لہریں کچھ اور نقشے بنا جائیں۔ آپ نے تو دائماً آنحضرت ﷺ کی مہر نبوت کا نقشہ اپنے اندر بنانا ہے اور پھر اس کو جاری کرنا ہے۔ پس جب تک اپنے بچوں میں جاری نہیں کریں گے آئندہ نسلیں سنبھالی نہیں جاسکیں گی۔

﴿ولتنظر نفس مّا قدّمت لِغَدٍ﴾ یاد رکھو خدا کا یہ پیغام ہے آج دیکھو کہ کل کے لئے تم کیا بھیج رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو ﴿ان اللہ خبیر بما تعملون﴾ اگر آج تمہارے نقوش پختہ ہیں، اگر آج تمہارے نقوش دائمی ہیں تو کل تمہاری نسلوں کے نقوش بھی پختہ اور دائمی ہوں گے۔ اگر آج یہ روزمرہ مٹنے والے اور بدلنے والے ہیں تو کل کی نسلوں کی کیا ضمانت ہے وہ بھی اسی طرح سمندری لہروں کے سہارے روز اپنے نقش بدلا کریں گی۔ پس اللہ تعالیٰ جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ تبلیغ کے نئے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو جس طرح میں مختصراً آپ کو سمجھا رہا ہوں ان تقاضوں کو آپ پوری طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں اور ان کو پورا کرنے کی کوشش کریں لیکن ایک فرض کے طور پر نہیں بلکہ دلی لگاؤ کے ساتھ۔

دلی لگاؤ اور اعلیٰ اقدار کا ایک گہرا تعلق ہے جو اعلیٰ اقدار کے دوام کے لئے ضروری ہے۔

عارضی طور پر اگر آپ نصیحتیں سن کر اپنے اندر مشکل سے تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں اور ان نیک تبدیلیوں پر قائم رہنے میں ہمیشہ مشکل محسوس کرتے ہیں تو ان کے دوام کی کوئی ضمانت نہیں، کچھ عرصہ کے بعد آپ کا دل ہار جائے گا اور کہیں گے چلو کوئی بات نہیں کچھ دیر نیکی کر لی اب چلو دنیا کے عیش بھی دیکھ لیں۔ لیکن اگر آپ کو ان سے محبت ہو جائے ان قدروں کے ساتھ، ان اخلاق کے ساتھ جو نیکی کی محبت آپ کے دل میں پیدا کر رہی ہیں تو پھر کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ جس ماحول میں آپ جائیں گے وہ آپ کے ساتھ ساتھ جائیں گی ہمیشہ وہ ماحول کو آپ کے مزاج کے مطابق تبدیل کرتی رہیں گی۔

پس اس پہلو سے آئندہ آنے والی تبلیغ کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کریں اپنی نسلوں کے لئے جو آپ خدا کے حضور جوابدہ ہیں اس نقطہ نگاہ سے بھی ان کو تیار کریں اور یاد رکھیں کہ آنے والوں کا ہم پر حق ہے ہر آنے والے نے اس کی مہر کو ضرور قبول کرنا ہے یا اس کے اثر کو کچھ نہ کچھ ضرور لینا ہے جس نے اسے احمدیت کا پیغام دیا۔ پس بہت بڑا کام ہے مگر ہمیں کرنا ہے۔ امریکہ کی تبدیلی ایک بہت بڑی تبدیلی ہے اگر اب ہم نے نہ کی تو کوئی اور نہیں کر سکے گا۔ یہ ایک ایسی قطعی بات ہے جس میں کوئی آپ تبدیلی نہیں دیکھیں گے۔ **آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام دنیا میں تبدیلیاں اور پاک تبدیلیاں قائم کرنے کے لئے پیدا فرمائے گئے ہیں** ان کو دنیا سے نکال دو تو دنیا میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔

دیکھو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے کیا عرض کیا تھا جب آپ کو بتایا گیا کہ لوط کی قوم مٹائی جانے والی ہے تو بہتوں سے شروع کر کے آخر دس تک جا پہنچے اے خدا ان میں دس بھی نیک نہیں ہیں جن کی خاطر لاکھوں کو زندہ رکھا جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے جواب دیا کہ دس بھی نیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رحم کے تعلق میں بہت جھگڑا کرنے والا تھا اور یہ ایک ابراہیم علیہ السلام کی تعریف ہے جو بظاہر برائی ہے مگر اللہ بڑے محبت کے انداز میں بیان کر رہا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی جھگڑا کرتا ہے مگر ہماری مخلوق پر رحم کرتے ہوئے۔ وہاں ابراہیم نے جھگڑا چھوڑ دیا اے خدا اگر ان میں دس بھی ایسے نہیں ہیں تو پھر میں کچھ مطالبہ نہیں کرتا۔ تو تم تو ھزاروں لاکھوں ہو کروڑ بیان کئے جاتے ہو کروڑ سے بھی اوپر کی باتیں کر رہے ہو۔

میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں اگر تم اپنے اندر وہ نقوش پیدا کرلو جو نقوش مہر محمدی کے نقوش ہیں تو اربوں آپ کی وجہ سے بچائے جائیں گے۔ ہو نہیں سکتا کہ دنیا ہلاک ہو جب تک آپ اس دنیا میں موجود ہیں۔ پس امریکہ کے متعلق مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہاں پانچ ھزار بھی ایسے ہو جائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ کے نقوش اپنے اندر اپنانے والے ہوں تو لازماً امریکہ کو بچایا جائے گا لیکن اگر گہرائی میں اتر کے دیکھیں تو پانچ ھزار بھی ایسے نہیں بنتے۔ ہمیں بنانے کی ضرورت ہے، محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے حوالے سے سب دنیا کو بھی تبلیغ کے نئے دور میں داخل ہوتے وقت ان تقاضوں کو پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا

فرمائے۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

ایک اعلان کرنا ہے ہمارے ایک داعی الی اللہ جو علاقے کے سابق امیر وہاڑی تھے عتیق احمد صاحب ان کو کل شہید کر دیا گیا، ۱۹ر تاریخ کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے وہ اپنی زمینوں کی طرف جا رہے تھے کہ جیسا کہ وہاں رواج ہے آج کل مولویوں کے پاس موٹر سائیکل بھی ہیں اور ساتھ ان کے کلاشنکوف بردار بھی پیچھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ملک کا قانون یہ ہے کہ ایک موٹر سائیکل پر دو سفر نہیں کر سکتے مگر مجرموں کو تو پولیس بھی نہیں دھتکار سکتی تو وہ ایک موٹر سائیکل سوار آیا پیچھے سے آ کے آگے بڑھا اور فائر کر کے پہلے ڈرائیور کو اور پھر باجوہ صاحب کو موقع پر شہید کر دیا۔لیکن باجوہ صاحب بڑے دلیر تبلیغ کرنے والے تھے۔ بہت بہادر داعی الی اللہ تھے اتنے کہ میں نے ان کو کچھ عرصہ پہلے خط لکھا باجوہ صاحب آپ کی نیکی، آپ کی بہادری اچھی ہے مگر ہمیں ضرورت ہے کہ آپ کے جیسے زیادہ دیر زندہ رہیں اس لئے آپ کو اپنی زندگی کی پرواہ نہیں، آپ کو شہادت کا شوق ہے تو ہوگا مجھے ضرورت ہے کہ آپ لوگ کچھ اور اب زندہ رہیں تا کہ دنیا میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوں۔مگر وہ بڑے مضبوط کردار کے ان معنوں میں تھے کہ جو دل میں آئی وہ کر کے رہنا ہے، ایک مخلص احمدی اوپر سے باجوہ۔ پس انہوں نے میری بات مانی نہیں اور جو اس قسم کی احتیاطیں میں نے کہی تھیں وہ انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ مگر یہ وہ شہادت ہے جس کے اوپر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم غمگین بھی ہوتے ہیں اور خوش بھی ہوتے ہیں۔ اس راہ میں یہ قربانیاں تو دینی ہی دینی ہیں۔ لاکھوں پاکستان میں جو آئے دن بدیوں کی موت مرتے پھرتے ہیں کچھ احمدی اس راہ میں جو دعوت الی اللہ کی راہ ہے شہید ہو جائیں تو غم تو ہوگا مگر اس کے ساتھ ہی ہم جانتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی آنحضرت ﷺ کے غلاموں نے شہادتوں کی قربانیاں پیش کی تھیں۔ پس یہ قربانیاں ہمیں پیش کرنی ہوں گی مگر حکمت کے تقاضے ضرور پیش نظر رکھیں۔ لازماً حکمت کے ساتھ آگے بڑھنے کے نتیجے میں اگر آپ کو نقصان پہنچایا جاتا ہے تو ہم خوشی سے اس نقصان کو قبول کریں گے، ہرگز نہیں ڈریں گے مگر اگر غلطی سے حکمت کے تقاضے نہ پورے کئے جائیں تو یہ بہادری تو ہوگی اپنی جگہ مگر دوسروں کے لئے زیادہ تکلیف کا موجب بنتی ہے۔ پس میں پاکستان کے تمام داعیان الی اللہ سے کہتا ہوں کہ ان شہادتوں کی وجہ سے ایک ذرہ بھی قدم پیچھے نہیں ہٹانا بلکہ اور زیادہ آگے بڑھانا ہے مگر جہاں تک احتیاط کے اور حفاظت کے تقاضے ہیں وہ ضرور پورا کریں۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آج انشاء اللہ نماز جمعہ اور عصر کے بعد عتیق احمد صاحب باجوہ مرحوم سابق امیر جماعت وہاڑی کی نماز جنازہ غائب ہوگی۔

اس کے ساتھ ایک اور بھی اطلاع آئی تھی ربوہ سے رشید زیروی صاحب۔ یہ ہمارے واقف زندگی تھے اور سلسلے کی بڑی محبت کے ساتھ، خلوص کے ساتھ خدمت کرتے رہے ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے جانبر نہیں ہو سکے تو دیکھیں دونوں خدمت کرنے والے ہیں مگر کہاں دل کا حملہ ہونے سے مرنے والا، کہاں خدا کی راہ میں شہادت کا رتبہ پانے والا، بہت فرق ہے مراتب میں۔ مگر ایک پہلو تو بہرحال ان کا بھی ہے کہ زندگی خدا کی خاطر پیش کی اور خدا کی نظر میں ایک رنگ میں شہادت پالی۔ تو ان دونوں کی نماز جنازہ انشاء اللہ نماز جمعہ اور عصر کے بعد پڑھائی جائے گی۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل ۸ر اگست ۱۹۹۷ء تا ۱۵ر اگست ۱۹۹۷ء)

بانی جماعتِ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو آخری نصیحت

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ فرماتے ہیں:

"ایک روز غالباً وفات سے دو دن پہلے حضور خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے مکان کے ہال کمرہ میں نماز ظہر و عصر ادا فرما کر تشریف فرما ہوئے۔اس وقت حضور کے سامنے پندرہ بیس احباب تھے اور میں بھی حاضر تھا۔۔۔اس وقت حضور نے کچھ باتیں بطور نصیحت فرمائیں۔ان میں سے حضور کے یہ الفاظ مجھے آج تک خوب یاد ہیں کہ:

"جماعت احمدیہ کے لئے بہت فکر کا مقام ہے کیونکہ ایک طرف تو لاکھوں آدمی انہیں کافر کہتے ہیں۔ دوسری طرف اگر یہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں مومن نہ بنے تو ان کیلئے دوہرا گھاٹا ہے۔"

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"جہاں تک مجھے یاد ہے یہ حضور کی آخری نصیحت یا وصیت تھی جس کو میں نے اپنے کانوں سے سُنا۔" (الفضل 12/نومبر 1959)

(حیاتِ طیّبہ صفحہ 352)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دورہ جماعت جرمنی کی جھلکیاں

نیشنل مجلس عاملہ جماعت احمدیہ جرمنی اور مبلغین سلسلہ (جرمنی) کے ساتھ الگ الگ میٹنگز میں کارکردگی کا جائزہ اور نہایت اہم تفصیلی ہدایات

نیشنل مجلس عاملہ جماعت احمدیہ جرمنی کے ساتھ میٹنگ

(4ستمبر 2005)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دعا کے ساتھ یہ میٹنگ شروع کروائی۔

حضور انور نے جنرل سیکرٹری سے جماعتوں سے موصول ہونے والی ماہانہ رپورٹس کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ اس پر جنرل سیکرٹری نے بتایا کہ ریجنل امراء اپنے اپنے ریجن کی جماعتوں سے رپورٹ اکٹھی کر کے بھجواتے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا ریجنل امراء کا کام رپورٹس اکٹھی کرنا نہیں ہے۔ ان کا کام جماعتوں کو Active کرنا ہے۔ ریجنل امراء بحیثیت نمائندہ نیشنل امیر نگران ہیں نہ کہ امیر اور جماعتوں کے درمیان رابطہ ہیں۔

حضور انور نے ہدایت فرمائی کہ نیشنل مجلس عاملہ ہر دوسرے مہینے اپنے اجلاس میں نمازوں کی صورتحال کا جائزہ لے۔ خاص طور پر ایجنڈا میں نمازوں کے جائزہ کو رکھیں۔ لوکل لیول پر بھی تمام جماعتوں میں مجالس عاملہ نمازوں کے بارہ میں غور کیا کریں۔ اگر نتائج صحیح نہیں آرہے تو معلوم کریں کیا وجوہات ہیں۔ کس طبقہ میں نماز نہ پڑھنے کا رجحان ہے۔ بعض دفعہ وجہ بن جاتی ہے کہ فلاں امام الصلوٰۃ ہے اس لئے وہاں نماز نہیں پڑھنی۔ اگر ایسی صورتحال ہے تو مربیان کو اس طرف فوری توجہ دینی چاہیئے اور اصلاح کرنی چاہیئے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا یہ غور ہونا چاہیئے کہ کس کس سنٹر میں نماز میں کمی ہے یا جو پہلے مسجد آرہا تھا اب نہیں آرہا۔ اس کی اولاد نہیں آرہی۔ کیا وجہ ہے؟ پھر اصلاحی کارروائی ہو۔ پھر یہ جائزہ لیں کہ اصلاح کا جو طریق کار سوچا تھا اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو پھر مزید سوچیں کہ کس طرح اصلاح کی جاسکتی ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گزشتہ سال نیشنل مجلس عاملہ جرمنی کی میٹنگ میں جو ہدایات سیکرٹریان کو دی تھیں باری باری تمام سیکرٹریان سے ان پر عمل درآمد کی رپورٹ حاصل کی۔

سیکرٹری تربیت سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ کتنی جماعتوں نے آپ کو سُست لوگوں کی فہرست مہیا کی ہے اور آپ نے وہ فہرست آگے مربیان کو دی ہے۔ حضور انور نے فرمایا جب ایسے افراد کی لسٹ ہی نہیں تو پھر کس طرح کام ہوگا، کس طرح اصلاحی کارروائی ہوگی۔

حضور انور نے دریافت فرمایا کہ اس بارہ میں اصلاحی کمیٹی نے کیا کام کیا ہے۔ حضور انور نے فرمایا پہلے لسٹیں بنائیں اور پھر پرسنل رابطے کریں۔ رابطوں کے بعد ان کو سمجھایا جائے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ باقاعدہ رزلٹ آنا چاہئے کہ کتنوں کے بارہ میں شکایت تھی۔ کتنوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ ان کا تعاون حاصل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا باوجود کوشش کے جن کا تعاون حاصل نہیں ہوسکا تو ان کی لسٹ مجھے بھجوائیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مبلغین کو ہدایت فرمائی کہ جن معاملات، مسائل کا تعلق فتویٰ سے ہے اس بارہ میں اپنے خیال کا اظہار ہرگز نہ کریں کہ میرے خیال میں ایسا ہے۔ بلکہ مسئلہ دریافت کرنے والے کو یہ بتایا جائے کہ مرکز سے مفتی سلسلہ پوچھ کر بتائیں گے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ جہاں ابہام ہو کہ یہ بھی ہوسکتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے تو اس بارہ میں اپنی رائے کا اظہار نہ کریں بلکہ مفتی سلسلہ سے پوچھ لیا کریں۔ حضور انور نے ایک معاملہ مفتی سلسلہ کو بھجوانے کی ہدایت فرمائی۔

نماز کی کتاب اور دوسرے لٹریچر کا جائزہ لیتے ہوئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت فرمائی کہ یہاں جماعتی لٹریچر میں امام غزالیؒ یا بعض دوسرے اماموں کی تشریحات ہیں، جب حکم و عدل آگیا تو اس کی بات مانی جائے گی۔ پہلی سب باتیں ختم ہوجائیں گی۔ امیر صاحب جرمنی نے بتایا کہ مرکز نے نماز

کی جو کتاب تیار کی ہے اب اس کے مطابق یہاں جرمن زبان میں نماز کی کتاب تیار کی جا رہی ہے۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو کتاب آپ دوبارہ شائع کرنا چاہتے ہیں ان میں پہلے غلطیوں کی اصلاح کریں پھر شائع کریں۔ لٹریچر اتنا بتائے جو ضروری ہے۔ باقی جو اضافی دعائیں کرنا چاہے کرے، لٹریچر میں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔
سکولوں میں بچیوں کی سوئمنگ کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ بچیوں کو تعلیم دیں کہ تم نے خود بیان دینا ہے کہ ہم اس طرح سوئمنگ کے لئے نہیں جا سکتیں۔ اسلام نے دس سال کی عمر میں نمازوں کی تاکید کی ہے۔ فرمایا اس عمر میں بچوں کو سمجھ آ جاتی ہے۔ جب بچیاں اس عمر کو پہنچتی ہیں تو ان کو اپنی عصمت اور تقدس کا پتہ ہونا چاہئے۔
حضور انور نے فرمایا تربیت کا شعبہ فعال ہونا چاہئے۔ لجنہ کو فعال ہونا چاہیئے۔ بچیوں کی اس طرح تربیت ہو کہ ان کو خود سمجھ آ جائے کہ کیا کرنا ہے۔
سیکرٹری تربیت نومبائعین سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ گزشتہ تین سالوں میں جو نومبائعین تھے ان میں سے کتنوں کو اس وقت نظام میں شامل کر چکے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا ٹیم بنائیں، رابطے کریں اور جہاں نو مبائعین نے ہجرت کی ہے وہاں رابطے کریں۔ مستقل رابطے رکھیں اور کوئی بھی نو مبائع ضائع نہیں ہونا چاہیئے۔
حضور انور نے فرمایا کہ تربیت کا کام مبلغین کا ہے تو تربیت کا کام جماعت کے عہدیداران کا بھی ہے، سب سے پہلے اپنی تربیت کا کام ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ کمیٹیاں بنانے کے بعد معاملات اور ظلم بجائے کم ہونے کے پہلے سے بڑھ گئے ہیں۔ اس بارہ میں اصلاحی کمیٹیاں، مبلغین اور مجلس عاملہ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ فرمایا طلاقیں ہو رہی ہیں۔ ماں باپ کی طرف سے ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ برداشت کا مادہ کم ہو رہا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ یا تو حالات بہتر ہو رہے ہیں یا مزید خراب ہو رہے ہیں، دونوں صورتوں میں ایسا ہوتا ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ اس بارہ میں سوچیں اور وجوہات معلوم کریں۔
ایک سوال پر کہ گھریلو جھگڑوں میں کس حد تک ہم گھر میں دخل اندازی کر سکتے ہیں؟ تو اس پر حضور انور نے فرمایا جب آپ کے نوٹس میں بات آ جاتی ہے تو آپ بار بار رابطہ کر کے، ذاتی تعلق پیدا کر کے اس کو سمجھا سکتے ہیں۔ نہ بھی سمجھائیں لیکن ذاتی تعلق تو پیدا کر سکتے ہیں۔ فرمایا ذاتی تعلق پیدا ہوگا تو پھر اصلاح بھی ہو جائے گی۔ فرمایا آپ کا اعتماد قائم ہونے کی بات ہے۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے عاملہ کے ممبران اور مبلغین سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں پر دوسروں کا وہ اعتماد نہیں ہے جو ہونا چاہیئے۔ شکایتوں سے لگتا ہے کہ گویا آپ پارٹی ہیں۔ فرمایا اپنا اعتماد بحال کریں۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا ایک شکایت یہ آ رہی ہے کہ عورتوں سے جھگڑوں کے بارہ میں صلح کروانے کے لئے بعض ایسے ذاتی سوال پوچھے جاتے ہیں جن کی پوچھنے کی اجازت نہیں ہے۔ صلح کے لئے ایسے سوالات کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کا اصلاحی کارروائی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ فریقین کی علیحدہ علیحدہ بات سنیں اور پھر ان کو سمجھائیں کہ صلح کرو۔ آپ لوگوں کو ذاتی باتوں کے بارہ میں سوال کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ امور عامہ میں بھی یہ باتیں آتی ہیں۔ عورت سے بات کرنے کا حجاب ہونا چاہیے۔ خواہ عورت کیسی ہی ہو اس کی اپنی عزت ہے۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا بعض اوقات لجنہ ممبر بھی ایسے سوالات کر جاتی ہیں۔ فرمایا: ذاتیات میں نہیں جانا چاہیئے۔ بے شک اس بارہ میں عہدیداران کو ٹریننگ دیں لیکن تقویٰ ہونا چاہیئے۔ نظر آ رہا ہوتا ہے کہ جو سوالات کئے جا رہے ہیں وہ صرف Pleasure کے لئے پوچھتا ہے۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: ریجنل امیر کا کام ہے کہ اگر امیر کوئی بات ان کو کہیں تو وہ عمل کریں اور اگر کوئی بات دیکھیں تو مطلع کریں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سیکرٹری مال کو ہدایت فرمائی کہ بجٹ میں جو کمی رہ گئی ہے وہ دُور کریں۔ فرمایا چندہ عام لازمی چندہ ہے اس کی سو فیصد وصولی کریں اور چندہ عام پوری شرح سے وصول کریں اور پھر جو زائد رقم ہو وہ مساجد میں ڈال دیں۔ یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ آپ نے سو مساجد کے لئے کہیں سے حصہ نہیں لینا۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے امیر صاحب جرمنی کو ہدایت فرمائی کہ سو مساجد کے چندہ کی وصولی کے لئے ذیلی تنظیموں کی کمیٹی بنائیں۔ سب صدران کمیٹی کے ممبران ہوں۔ حضور انور نے فرمایا جب ذیلی تنظیمیں چندہ مسجد وصول کریں تو خدام، انصار سے پوچھ لیں کہ چندہ عام ادا کر دیا ہوا ہے یا نہیں؟ چندہ عام میں اگر کوئی بقایا وغیرہ بھی ہو تو خدام، انصار بتا سکتے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا چندہ مسجد کی رسید کاٹتے ہوئے اس پر نوٹ دے دیا جائے کہ اس کا چندہ عام کا بقایا ہے۔ کیا مسجد کا چندہ،

چندہ عام میں ڈال دیا جائے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: جو چندہ عام شرح کے مطابق نہیں دے رہے ان سے کسی تحریک میں چندہ وصول نہیں کرنا چاہیئے۔

حضور انور نے نیشنل سیکرٹری مال کو ہدایت فرمائی کہ جماعتوں میں آپ کے سیکرٹریان مال اتنے فعال ہونے چاہئیں کہ آپ کو فوری اطلاع دیں کہ مساجد کے چندہ کی وصولی کی وجہ سے فلاں جگہ چندہ عام متاثر ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسجد کے لئے دے رہے ہیں تو آپ امیر صاحب سے بات کریں اور پھر ایسے لوگوں کا چندہ مسجد، چندہ عام میں ڈالیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا چندہ عام میں کمی ہوئی ہے تو سیکرٹریان مال کا قصور ہے۔ تقویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے گہرائی میں جا کر دیکھا کریں۔ حضور انور نے فرمایا سیکرٹریان مال کے نظام کو فعال کریں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے صدر صاحب مجلس انصار اللہ کو ہدایت فرمائی کہ آپ نے مساجد کے لئے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کریں۔ فرمایا: یہ بجٹ نہیں ہے، یہ آپ کا وعدہ ہے۔ حضور انور نے فرمایا۔ میرے نزدیک سیکرٹری مال کا نظام فعال ہو جائے تو ان کا چندہ عام حاصل ہو سکتا ہے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ ہر ایک کو بتایا جائے کہ چندہ عام تم نے ادا کرنا ہے۔ یہ جو چندہ تم دے رہے ہو یہ چندہ مسجد ہے۔ پہلے عام ادا کرو پھر سو مساجد کا دو۔ حضور انور نے فرمایا جو چندہ عام کے بقایادار ہیں اُن سے ذیلی تنظیموں کا چندہ نہیں لینا۔

حضور انور نے ہدایت فرمائی کہ آپ موصیان کی تعداد بڑھائیں گے تو آپ کے مسائل ختم ہو جائیں گے۔ تربیت بھی ہو جائے گی۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا وصیت میں مردوں کی تعداد بڑھائیں۔

حضور انور نے کتب کے تراجم کا بھی جائزہ لیا۔ حضور انور کو بتایا گیا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی پانچ کتب کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ حضور انور نے فرمایا یہ سب کتابیں آئندہ سال جلسہ سے قبل شائع ہو جائیں۔ یہ آپ کا ٹارگٹ ہے۔ حضور انور نے فرمایا کتاب ''شرائط بیعت'' کا ترجمہ بھی جلد مکمل کروائیں۔ کتاب Islam's Response کا ترجمہ بھی ہونا چاہیئے۔

حضور انور نے شعبہ امور عامہ کو ہدایت فرمائی کہ آپ نے قضاء کے معاملات میں دخل نہیں دینا بلکہ جو آپ کے معاملے ہیں ان کو نپٹائیں۔ حضور انور نے فرمایا جب تربیت کا اثر ہوگا تو قانونی چارہ جوئی کا رجحان نہیں ہوگا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے امیر صاحب جرمنی کو ہدایت فرمائی کہ جرمنی میں جامعہ کا قیام ''خلافت جوبلی'' کی سکیم میں شامل کریں۔ فرمایا: اب اس بارہ میں پلاننگ کرنا شروع کر دیں۔ UK میں جامعہ شروع ہو رہا ہے اس کو بھی دیکھیں اور اس بارہ میں جائزہ لینا شروع کریں۔

حضور انور نے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ **لجنہ کا جماعت کے ماہانہ اجلاسوں میں شامل ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ اپنے علیحدہ ماہانہ اجلاس کرتی ہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا جو خاص مواقع ہیں جیسے جلسہ سالانہ، جلسہ یوم مسیح موعود علیہ السلام، یوم مصلح موعودؓ، یوم خلافت، سیرۃ النبی ﷺ کے جلسے ہیں ان میں لجنہ بھی شامل ہو۔ یا اس کے علاوہ کوئی خاص موقع ہے، خاص اجلاس ہو رہا ہے۔ مرکز سے نمائندہ نے آنا ہے، امیر ملک یا مبلغ انچارج نے آنا ہے تو پردہ کی رعایت کے ساتھ لجنہ کو ایسے خاص اجلاسوں میں بلایا جا سکتا ہے۔**

مبلغین کے ساتھ میٹنگ:

حسب دستور دعا کے ساتھ اس میٹنگ کا آغاز ہوا۔ الکوحل فری بیئر کے بارہ میں حضور انور نے ہدایت فرمائی کہ جب تک کوئی فیصلہ نہیں آ جاتا اس وقت تک تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے قریب نہ جایا جائے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا اس بارہ میں تفصیلی طور پر لکھ کر مرکز کو فتویٰ کے لئے بھجوائیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تبلیغ ڈے، Mosque Day، اور عید ملن پروگرام کے بارہ میں اصولی ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسا انتظام ہونا چاہیئے کہ مردوں کا حصہ علیحدہ ہو اور عورتوں کا حصہ علیحدہ۔ لجنہ کا اپنا علیحدہ حصہ ہونا چاہیئے۔ **جب مہمان آئیں تو ان کو بتایا جائے کہ یہ ہماری روایات ہیں۔ خواتین کے لئے علیحدہ حصہ مخصوص ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ عورتیں، عورتوں کی طرف آ جائیں۔ آگے آپ کی Choice ہے۔ اگر وہ اپنی روایات برقرار رکھتے ہیں تو ہم کو بھی اپنی روایات برقرار رکھنی چاہئیں۔**

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ہدایت فرمائی کہ سب ایسے پروگرام جن میں مرد وخواتین مہمان آرہے ہیں مردوں کی طرف سے ہونے چاہئیں۔ فرمایا جب آپ آنے والی مہمان خواتین کو کہیں گے کہ خواتین کے لئے علیحدہ انتظام ہے تو یہ بات ان لوگوں کو Attract کرے گی کہ جو کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔

تبلیغی سٹال اور اس طرح کے مواقع پر خواتین کے کام کرنے کے بارے میں فرمایا کہ اگر خواتین نے کام کرنا ہے تو اپنے پورے لباس میں ہوں اور پردہ میں ہوں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا مغربی لوگ کھلا دل رکھتے ہیں اور دوسروں کی روایات کا احترام کرتے ہیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: انٹرنیٹ کی برائی کے بارہ میں اب مختلف اطراف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ اب دنیا نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اس کے نقصانات بہت ہیں۔ گھر اجڑ رہے ہیں، بچے تباہ ہور ہے ہیں، گھروں میں کرپشن پیدا ہوگئی ہے۔ حضور انور نے فرمایا انٹرنیٹ کی طرف بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ فرمایا جماعت کی ویب سائیٹ پر جو غلط باتیں ہیں ان کو ختم کریں۔ **انٹرنیٹ کے نقصانات پر مضامین لکھے جائیں۔** جن لڑکوں اور لڑکیوں کو انٹرنیٹ کی وجہ سے چوٹیں لگی ہوئی ہیں ان سے مضامین لکھوائیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے تمام مبلغین کو ہدایت فرمائی کہ پہلے تین ماہ کی روزانہ کی ڈائری لکھیں۔ ہر ماہ کی روزانہ کی ڈائری مجھے بھجوائیں کہ صبح تہجد کے وقت اٹھنے سے لے کر رات سونے تک جو کام کیا ہے وہ لکھیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا آپ کو ایک ہفتہ بعد پتہ چل جائے گا کہ کتنا وقت ہے جو آپ بچا سکتے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا جو چاک آؤٹ پروگرام بن گیا، اس کے علاوہ بھی بہت کام ہیں نئے راستے تلاش کریں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مبلغین کو ہدایت فرمائی کہ اپنے اپنے ریجن کی تمام جماعتوں کے دورے کریں اور رابطے کریں اور لوگوں سے رابطے کریں۔ فرمایا اگر آپ بعض گھروں میں جائیں گے اور بعض میں نہیں جائیں گے تو لوگ اعتراض کریں گے، بدظنی کریں گے کہ ہمارے گھر میں نہیں آئے۔ اس لئے ہر گھر میں جائیں تا کہ کسی کو اعتراض کا موقع پیدا نہ ہو۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ترکی زبان جاننے والے مبلغین کو فرمایا کہ ترکوں کے ماحول کا آپ کو پتہ ہے ان میں کام کریں۔

جرمنوں میں تبلیغ کے بارہ میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب ایک دم بریک تھرو (Break Through) ہونا ہے۔ ان کے کانوں میں آواز پڑتی رہنی چاہئے۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا نومبائعین کی تربیت کا ہر جگہ جائزہ لینا چاہئے کہ کتنے افراد نے بیعت کی تھی۔ ان نومبائعین کے ساتھ کس کس کا رابطہ رہا۔ اگر ان نومبائعین نے نقل مکانی کی ہے تو کہاں گئے ہیں۔ فرمایا نومبائعین سے رابطہ ایک کا کام نہیں پوری ٹیم کو Involve ہونا پڑے گا۔

حضور انور نے بلغاریہ کے مبلغین سے فرمایا کہ بلغاریہ میں رہنے والے پاکستانیوں کا ایسا ماحول پیدا ہوگیا ہے اُن میں یہ احساس پیدا ہوگیا ہے کہ ہم نے اردو زبان سیکھنی ہے۔ آپس میں تعلق کا احساس ہے کہ ہم ایک جسم ہیں۔ فرمایا کہ بلغاریہ میں جو ایک دفعہ ماحول پیدا کر دیا ہے اس کو اب قائم رکھنا ہے۔ انہیں مزید بتائیں، مزید اردو زبان سکھائیں۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جرمنی کے مبلغین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا اپنا احساس ہے جس طرح اس ملک میں احمدیت کا تعارف کروانا چاہئے ویسے نہیں ہوا۔ دوسرے مسلمان زیادہ اثر انداز ہیں۔ حضور انور نے فرمایا مبلغین اس بارہ میں سوچیں اور کام کے راستے نکالیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جرمنی کے سپرد ممالک آذربائیجان، جبرالٹر کے ممالک میں دوبارہ دورہ پر جانے کی ہدایات فرمائیں۔ مراکش کے بارہ میں بھی ہدایت فرمائی کہ وہاں کا دورہ بھی کیا جائے۔ اسی طرح ترکی میں بھی کسی کو بھجوانے کی ہدایت فرمائی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے MTA کے پروگراموں کے بارہ میں فرمایا کہ پروگراموں میں جدت پیدا کریں۔ ڈاکومینٹری پروگرام بھی بنا کر بھجوائیں۔

(الفضل انٹرنیشنل 14-20 اکتوبر 2005)

اولین کلمات

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''سب سے اولین کلمات جو اللہ تعالیٰ نے لکھے وہ یہ تھے کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''

(فردوس الاخبار جلد اول صفحہ 45 حدیث 1)

معاصرین سے

حالیہ زلزلے کو عذاب کہنے میں کیا قباحت ہے؟

محمود بن عطاء، ٹیکساس

اردو لنک کے شمارے (21 تا 27/اکتوبر) میں جناب ثروت جمال اصمعی کے مضمون (آسمانی آفات اور قانون الٰہی) کے مندرجات بہت پسند آئے ان کے اس پیغام کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہونی چاہئے جو بات فاضل مضمون نگار کھل کر نہیں کہہ پائے اُس نکتے کو میں ایک اور حوالے سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

8/اکتوبر کے زلزلے کو بہت سے لوگ ''قیامت صغریٰ'' قرار دے چکے ہیں۔اسے ناگہانی آفت' آزمائش اور امتحان بھی کہا گیا ہے۔ایک اور لفظ بھی ہے جسے استعمال کرنے سے لوگ شرماتے' لجاتے اور گھبراتے ہیں اور یہ لفظ ہے...... ''عذاب'' عذاب ایک ڈراؤنا لفظ ضرور ہے۔لغت کے لحاظ سے اتنا ئہ انہیں جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔عربی' اردو' فارسی اور انگریزی لغات سب متفق ہیں کہ عذاب کا مطلب ہے ''دکھ' تکلیف' مصیبت اور سزا'' فیروز اللغات اردو میں مندرجہ ذیل چار معنی دیئے گئے ہیں:

ا۔تنگی' تکلیف' دکھ' مصیبت' اذیت

۲۔سزائے گناہ

۳۔دِقّت' جھگڑا' بکھیڑا

۴۔روگ' عِلّت

عذاب کے حوالے سے تین محاورے اردو میں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔

''عذاب نازل ہونا'' (آفت آنا' مصیبت پڑنا)

''عذاب میں ڈالنا'' (مصیبت میں مبتلا کرنا)

''عذاب میں ہونا'' (سخت تکلیف میں ہونا)

صاف ظاہر ہے کہ لفظ برا نہیں مگر ''سزائے گناہ'' والے معنوں کی وجہ سے گراں گزرتا ہے۔ جناب جمیل الدین عالی صاحب پاکستان کے صحافتی' سیاسی اور علمی حلقوں کا ایک معتبر نام ہیں۔موصوف ایک مشہور کالم نویس' بلند پایہ شاعر' دانش ور اور عالم ہیں اور مزید برآں ایک سینیٹر بھی' میں بھی ان کا مداح و معترف ہوں۔ARY ONE WORLD چینل پر غالباً 16/اکتوبر کو ایک گفتگو کے دوران موصوف کی بعض باتیں میرے اوپر سے گزر گئیں۔اگرچہ میں اپنے تئیں ایک طفل مکتب سمجھتا ہوں، مگر پھر بھی چند معروضات پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

محترم عالی صاحب نے کہا کہ حالیہ زلزلے کو ''عذاب'' نہ کہا جائے بلکہ اسے آزمائش قرار دیا جائے۔اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر عذاب آنا تھا تو انگریزوں پر آتا' جنہوں نے ہندوستان پر اپنی حکومت کے دوران ہزاروں مساجد تباہ کیں اور ہزاروں لوگوں کو قتل کیا' اس بات کا چونکہ تاریخ سے تعلق ہے لہٰذا اس پر بات تاریخ کے حوالے سے ہوگی۔

عرض ہے کہ قیام پاکستان کے وقت میری عمر 9 سال تھی۔مجھے حصول پاکستان کے لئے نکالے جانے والے ایک ایسے جلوس میں شامل ہونا یاد ہے جس پر پولیس نے گولی چلائی تھی۔میں زخمی نہیں ہوا' غالباً یہ فائرنگ ہوا میں کی گئی کیونکہ کسی اور شخص کے مرنے یا زخمی ہونے کی خبر بھی نہیں سنی گئی۔مگر فائرنگ کی آواز گویا آج بھی کان میں گونج رہی ہے۔گھر آ کر میں نے یہ بات والدہ سے چھپائی کہ میں بھی پاکستان بنانے گیا تھا۔مجھے برطانوی ملکہ الزبتھ کے والد' جارج ششم کی تصویر والے کرنسی نوٹ اور سکّے اچھی طرح یاد ہیں۔بلکہ ایک آنے میں پائی جانے والی بارہ پائیاں بھی یاد ہیں۔ہمارے ہائی سکول کے زمانے میں تاریخ کی کتاب' جو ہندوستان میں آریوں کی آمد سے شروع ہوتی تھی' وزیراعظم لیاقت علی خان کی شہادت تک کے واقعات پر مشتمل تھی۔

تمام وائسرائے صاحبان اور ان کا عہد حکومت بھی ہمیں پڑھایا گیا تھا۔جنگ پلاسی اور سو سال بعد ہونے والی جنگ آزادی (غدر) اور ٹیپو سلطان کی لڑائیاں۔۔۔ یہ سب کچھ ہمیں پڑھایا گیا' مسلمانوں کا سب سے زیادہ مالی اور جانی نقصان 1857 میں ہوا۔مگر جنگ میں نہیں بلکہ اس تحریک کی ناکامی کے بعد دہلی، کانپور، لکھنؤ وغیرہ مقامات اور ان کے مضافات میں جو قتل عام کیا گیا اس میں یقیناً ہزاروں مسلمان اور ہندو جاں بحق

ہوئے۔ تاریخ کا یہ دردناک سانحہ ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے۔ ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت نہرو اپنی کتاب The discovery of India صفحہ 39 میں ان نقصانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لوگوں کو تیمور اور نادر شاہ کے قتل عام یاد آ گئے۔

حقیقی اسلامی اور قرآنی جہاد کے علاوہ میں ہر سیاسی اور دنیاوی جنگ کو ایک عذاب ہی سمجھتا ہوں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں 2 خونریز لڑائیوں جو خانہ جنگی (سِوَل وار) کے ذیل میں آتی ہیں۔ طرفین کے ایک لاکھ سپاہی مارے گئے حالانکہ ان میں صحابہ کرامؓ اور تابعین نے جنگ میں حصہ لیا۔ جنگ جمل میں 10 ہزار مسلمان کام آگئے۔ ("Glorious Caliphate" مصنفہ اطہر حسین' ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور صفحہ 141) اگلے سال لڑی جانے والی جنگ صفین میں 90 ہزار افراد جاں بحق ہوئے۔ دونوں طرف سے جنگ میں شرکت کرنے والے صحابہ کرامؓ بھی شہید ہوئے غرض سیاسی جنگوں میں نقصان ایک طبعی چیز ہے۔

انگریزوں کے ہاتھوں ہزارہا مسجدوں کا انہدام؟ یہ واقعات ہمیں کسی استاد نے نہیں پڑھائے۔ ''دہلی کی مسجد'' قوت الاسلام جس کا قطب مینار اب بھی موجود ہے' مرور زمانہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی۔ شاہ جہاں کی بنوائی ہوئی مسجد اب بھی موجود ہے۔ لاہور کی شاہی مسجد کو جسے اورنگزیب نے بنوایا' سکھوں کی سول وار کے زمانے میں بہت نقصان پہنچا مگر انگریزوں کے زمانے میں اس کی مرمت ہوئی' تقسیم ہند کے بعد سرحد کے اُس پار اور اس طرف جہاں لاکھوں مسلمان اور ہندو مارے گئے' عبادت گاہوں کو بھی نقصان پہنچا۔ اُدھر مساجد کی بے حرمتی ہوئی' اِدھر مندروں اور گوردواروں کی۔ ہمارے شہر بھیرہ میں ہندوؤں کا سب سے بڑا مندر ''مڑھی'' 2 سال کے اندر اندر کھنڈر بن گیا اور سکھوں کے گوردوارے کو امام بارگاہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ نقل مکانی کے بعد مشرقی پنجاب اور بعض دوسرے علاقوں میں بے شمار مساجد تباہ اور ویران ہوئیں۔ مَیں عالی صاحب سے ملتمس ہوں کہ وہ معین اعداد و شمار کے ساتھ ان ''ہزاروں مساجد'' کے کوائف فراہم فرمائیں جنہیں انگریزوں نے اپنے عہدِ حکومت میں تباہ کیا؟

بلکہ معاملہ کچھ برعکس نظر آتا ہے۔ پنجاب (موجودہ ہریانہ' مشرقی پنجاب' مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد) کا انگریزوں کی عمل داری میں آنا' مسلمانوں کے لئے ایک نعمت ثابت ہوا' نہ صرف یہ کہ اذان پر پابندی ختم ہوئی بلکہ ہزاروں مساجد کی آزادی اور آبادی کا از سرِ نو انتظام ہوا۔

سکھا شاہی کے ظالمانہ قوانین کا خاتمہ ہوا عالی صاحب ہزاروں مساجد کی تباہی کا ذکر کرتے ہیں' میں ہزاروں مساجد کی آزادی اور آبادی کا ذکر کر رہا ہوں۔ جنگِ آزادی 1857 کے بعد ہزاروں ہندوستانیوں کے قتل کا میں اعتراف کرتا ہوں اور شدید مذمت بھی مگر

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

صرف آرمینیا کی ہی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے' آپ کا سر شرم سے جھک جائے گا۔ ہم مغربی افریقہ سے غلاموں کو امریکہ لے جانے کا بڑی مذمت سے ذکر کرتے ہیں مگر بھول جاتے ہیں کہ صدیوں تک ہمارے عرب بھائی مشرقی افریقہ کے ساحلوں پر اِسی تجارت میں مشغول رہے ہیں!

اس بحث میں' میں اصل موضوع سے ذرا دور چلا گیا ہوں۔ حالیہ زلزلہ بے شک ایک آزمائش ہے اور حکومت کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج اور اہل وطن کے لئے ایک طویل المدت امتحان مگر جب بھی اس زلزلے کی تباہ کاریوں کے مناظر اور ان کی لپیٹ میں آنیوالے افراد' مالی نقصانات اور ان کے مضمرات اور اسباب پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد' میں اس زلزلے پر عذاب کے اطلاق کو "گناہ کبیرہ" نہیں سمجھتا۔ قوم کسی فرد واحد کا نام نہیں۔ قوم افراد کے مجموعے سے بنتی ہے۔ افراد کے گناہوں میں جب ایک خاص وسعت' جِدت' شدت اور شوخی آجاتی ہے تو پھر وہ ''قوم کے گناہ'' بن جاتے ہیں جن کا قدرت لازماً مؤاخذہ کرتی ہے۔

بقول اقبال ؎

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کرتی نہیں قوموں کے گناہوں کو معاف

اس مرحلے پر ہر شخص بپھر کر مجھ سے پوچھے گا کہ ذرا اس معصوم قوم کے جو اقطاب' ابدال اور مقبولان بارگاہ الٰہی پر مشتمل ہے' کے گناہ تو گنوا دو' میری قوم کے سادہ دل لوگو! کوئی ایک گناہ ہو تو بتاؤں' ایک طویل فہرست ہے۔ سب جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں مگر کوئی برا بننے کے لئے تیار نہیں میں صرف دو تین کوتاہیاں گنوا دیتا ہوں۔

دین ہمارا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ اس کے معاملے میں ہم نے ایک ''فرار کی پالیسی'' اختیار کر رکھی ہے۔ ہماری صحافت' سیاست اور فلمی صنعت اس فلاسفی کو پھیلانے کی ذمہ دار ہے۔ اس فلاسفی کا خلاصہ یہ ہے کہ

''نماز میرا فرض ہے اور چوری میرا پیشہ''

چوری کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام جرائم بھی اس فلاسفی میں سمو لئے گئے ہیں۔ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے جسے مذہب کے نام پر اچھالا گیا ہے۔ نماز کا مقصد اور نتیجہ ہے فحشاء اور منکر یعنی شرمناک حرکتوں اور باغیانہ رویے سے بچاؤ۔ روزہ کا مقصد ہے ''اکل حلال'' حق حلال کی کمائی کھانا اور ناجائز رزق سے بچنا۔ روزہ کے احکام اور ہدایات کے معاً بعد آنے والی آیتِ قرآنی کا یہی پیغام ہے۔(البقرۃ 189) مگر قوم کی اکثریت کا روزہ صرف ''بھوک ہڑتال'' کی ایک قسم ہوتا ہے۔ زکوٰۃ فنڈ سے سرکاری حج اور عمرے کیسے مقبول اور مَبرُور ہو سکتے ہیں؟ فرار کی یہ فلاسفی ایک غیر قرآنی نظریہ ہے۔ اس غلط سوچ کے نتیجے میں ساری قوم غلط ڈگر پر چل نکلی ہے۔

ہمارا دوسرا قومی جرم ہماری معاشی ناہمواری ہے۔ دولت کا تفاوت اور تکاثر و تفاخر کی دوڑ ہے۔ اس کی ایک مثال جس نے مجھے لرزہ براندام کر دیا وہ ہے جس کا ڈاکٹر شاہد مسعود نے ARY چینل پر ذکر کیا۔ کراچی میں امسال 12 ربیع الاول کو ایک شخص نے اپنے حالات سے تنگ آ کر اپنی بیوی اور 4 بچوں کو ذبح کر دیا اور اسی معاشرے میں ایک شخص نے اپنے بیٹے کے عقیقے پر 250 بکرے ذبح کروائے۔ اسلام کے فقہی مسائل کی رو سے وہ شخص صرف 2 بکرے یا دُنبے ذبح کرنے کا مکلف تھا۔ اگر توفیق نہیں تو اسے بھی معلق کیا جا سکتا ہے۔ اس امیر شخص کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ 248 بکروں کی قیمت قوم کے غریبوں اور ضرورتمندوں میں تقسیم کر دے۔ قرآن اسی تفاخر اور تکاثر کی مذمت کرتا ہے مگر ہمارا مُلّا اب خود اس کا حصہ بن چکا ہے ع

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

فحاشی کا سیلاب ایک اور مصیبت ہے۔ سب اس کی لہروں کو محسوس کرتے ہیں۔ قوم کو تباہ کرنے والوں کی کیسٹیں اور سیڈیز خرید کر فحاشی کو فروغ دینے میں کون حصہ لے رہا ہے؟ ہم سب ان لہروں کے ''سونامی'' بننے کا انتظار کر رہے ہیں۔

پھر ہم سب مغرب کی بری چیزوں کی اندھا دھند نقالی میں سب سے آگے ہیں۔ البتہ ان کی اچھی چیزیں ہم پر گراں گزرتی ہیں۔ تعلیم اور ٹیکنالوجی میں صف اول کا ملک بننے کی خواہش تو ہے مگر اس دوڑ میں بہت پیچھے ہیں۔ مگر یہ ماننے کو تیار نہیں۔ ایک مغربی اخبار نے حالیہ زلزلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ملک جسے ایٹمی قوت بننے کا تو بہت شوق تھا زلزلے کے نتائج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مناسب ساز و سامان کے لحاظ سے تہی دست نکلا!

پھر آئے دن ملک میں گینگ ریپ کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں اضافہ ہوا ہے۔ ردعمل میں جب حقوق انسانی کے کارکن احتجاج کرتے ہیں تو ارکان حکومت' علماء کرام اور دانش ور یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ''کیا گینگ ریپ دوسرے ملکوں میں نہیں ہوتے؟ پاکستان کو بدنام کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں'' حضور! دوسرے ملکوں میں بھی ایسے واقعات ضرور ہوتے ہیں۔ مگر وہ ممالک اپنے آپ کو ''اسلام کا قلعہ'' نہیں کہتے۔ انہیں ''نظام مصطفیٰ ؐ کا ماڈل'' ہونے کا دعویٰ نہیں۔ وہ اپنے آپ کو 'امت محمدیہ کا سربراہ'' نہیں سمجھتے۔ دوسرے ممالک کے لوگ اپنے آپ کو خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کا ''محافظ'' قرار نہیں دیتے۔ ایسے بڑے بڑے کھوکھلے دعوے کر کے آپ خدائی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ ہم غوث قطب ہرگز نہیں۔ ہم فقط عملی اور قولی منافق ہیں!!

آمدم بر سر مطلب' میں لغات کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں بھی زلزلے کو 'عذاب'' قرار دیا گیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر یہی عذاب نازل کیا گیا۔ (سورۃ الاعراف 79) پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو یہی سزا دی گئی۔ (سورۃ الاعراف 92)۔ قرآن مجید میں عذاب کی مختلف شکلوں کا ذکر ہے۔ آندھی' سیلاب' تیز ہوا' پتھروں کی بارش وغیرہ' زلزلہ بھی اس فہرست میں شامل ہے۔ عربی میں زلزلے کو رجفہ کہتے ہیں۔ سورہ الاعراف میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔ تورات اور انجیل میں بھی زلزلے کو عذاب الٰہی کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ دلچسپی رکھنے والے اصحاب و خواتین مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

عہد نامہ قدیم: (تورات) گنتی باب 16 آیات 33,32 (NU 16:32'33)

ناحوم باب 1 آیات 6'5 (NA1:5'6) زکریا باب 14 آیت 5 (Zec 14:5)

عہد نامہ جدید (انجیل) متی باب 27 آیت 51 (Mt 27:51)

حضرت نبی کریم ﷺ نے زلزلوں کو عذاب قرار دیا ہے۔ البتہ ایک فرق کے ساتھ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ زلزلے متاثرہ افرادِ اُمت کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے اور وہ اگلے جہان میں عذاب سے بچ جائیں گے۔ حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی اس حدیث کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ مشکوٰۃ المصابیح' جلد دوم صفحہ 730' ناشر اسلامک بک سروس' دہلی ایڈیشن 2001۔ میں اس مفید مجموعہ احادیث سے ایک اور حدیث کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ بعض لوگ اس بھروسے پر ہر

قسم کے گناہ اور جرائم کرتے ہیں کہ قیامت کے روز شفاعت کے نتیجے میں وہ سیدھے جنت الفردوس میں جا اتریں گے۔ایسے لوگوں کو یہ حدیث ہمیشہ نظر کے سامنے رکھنی چاہیئے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے اپنے چچا عباسؓ اپنی پھوپھی صفیہؓ اور اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حصول جنت کے لئے تم خود جدو جہد کرو' اسے دلانے کے لئے میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔

(مشکوٰۃ المصابیح جلد دوم صفحہ731)

یہ حدیث پڑھ کر میں گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ علماء اور مشائخ کس برتے پر لوگوں کو72 حوروں کا شوہر بناتے پھرتے ہیں؟

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس زلزلے کو'عذاب'' کہنے میں ہمارا فائدہ ہے نقصان نہیں۔اسے محض ایک اتفاقی حادثہ اور ایک آزمائش قرار دے کر ہم عذاب الٰہی کی ہیبت کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور لوگوں کو بیدار کرنے کی بجائے ان کی غفلت کی نیند کو اور گہرا کرنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔اس زلزلے کو ایک خدائی تنبیہہ کے طور پر پیش کیجئے۔اگر اس کا اثر زائل کر دیا گیا تو جو آگے آئے گا وہ اس سے زیادہ تباہ کن ہوگا۔میری ناقص عقل میں وہ ایٹمی جنگ کا سیناریو (Scenario) بھی ہوسکتا ہے۔

اس وقت اگرچہ امن کے گیت گائے جا رہے ہیں۔محبت کی پینگیں بڑھائی جا رہی ہیں۔خدا کرے امن اور محبت پروان چڑھے لیکن جب اللہ کا حکم آنے کا وقت ہوتا ہے تو پھر حالات کے مکدر ہونے میں خدانخواستہ دیر نہیں لگتی۔

چونکہ اس زلزلے کو عذاب قرار دینے میں ہمارا فائدہ ہے اس لئے میں اسے آزمائش اور امتحان کے ساتھ ساتھ'عذاب کہوں گا۔اُس شترمرغ کا کردار قابل ستائش نہیں جو خطرے کے وقت اپنی گردن اس لئے ریت میں چھپاتا ہے کہ ایسا کرنے سے خطرہ ٹل جائے گا۔آیئے ہم اپنے سروں کو توبہ اور استغفار کے سجدوں میں جھکائیں اور اپنے انفرادی اور اجتماعی نامہ اعمال کو درست کرنے کا عزم کریں۔انگریزی کا ایک مقولہ ہے۔

TO CALL A SPADE A SPADE

اس پر عمل کرنے کیلئے مال و دولت' عقل و دانش' علم و فضل' جُبّہ و دستار اور کسی سیاسی جتھے سے الحاق کی ضرورت نہیں فقط جرأتِ رندانہ درکار ہے۔

(The Weekly Urdu Link USA, Friday, Nov. 18-24, 2005 Page19)

نعتِ رسول ﷺ

صادق باجوہ

نعت گوئی کا ہمیں یارا کہاں
اس کا در اور معصیت مارا کہاں

وہ شہِ لولاکؐ ہم دنیا پرست
اپنے دھندوں سے ہے چھٹکارا کہاں

جو ترے پاس آیا تیرا ہو گیا
زیدؓ پھر ماں باپ کا پیارا کہاں

دشمنوں کو دوست کہنا آگیا
کون دیکھے ایسا نظّارہ کہاں

ساقیا! رحمت کنند بر عاصیاں
ڈوبتی ناؤ کا پتوارا کہاں

دامنِ اُمید پھیلائے ہوئے
جائے گا اب ہجر کا مارا کہاں

ملتجی صادقؔ ہے آقاؐ! دیکھئے
روزِ محشر اور کچھ چارا کہاں